اجرتِ تراویح

اور

خدمتِ امام

دلائل کی روشنی میں

تالیف

مفتی محمد سلمان قاسمی پالن پوری (کھلی)

خادم التدریس والافتاء

جامعہ خلیلیہ اسلامیہ

ماہی (خانقاہ) تحصیل: وڈگام، ضلع: بناس کانٹھا، شمالی گجرات

PIN:385210

فہرست

۱ تقریظ: حضرت مفتی شعیب اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم .....

۲ تقریظ: حضرت مفتی اختر امام عادل قاسمی صاحب مدظلہ العالی .....

۳ تأثرات: حضرت مفتی جمیل احمد نذیری صاحب دامت برکاتہم .....

۴ تأثر: مفتی اسماعیل صاحب مدظلہ العالی۔ دارالعلوم چھاپی پالنپور شمالی گجرات .....

۵ ضروری تمہید .....

۶ دینی کاموں پر اجرت .....

۷ امامت سے مراد کیا ہے؟ .....

۸ بہت اہم وضاحت: اس کتاب میں اختیار کردہ موقف کے بارے میں .....

۹ پتہ کی بات .....

۱۰ کیا مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینا اصلاً ناجائز ہے؟ .....

۱۱ فیصلہ کن بات .....

۱۲ ایک مشہور شبہ کا جواب .....

۱۳ نماز تراویح کی طرح ختم قرآن بھی سنت مؤکدہ ہے .....

۱۴ باجماعت تراویح پڑھنا اور ختم قرآن دو الگ الگ سنتیں ہیں .....

۱۵ تراویح میں ختم قرآن کو تلاوت مجردہ پر قیاس کرنا درست نہیں .....

۱۶ تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کے مفاسد .....

۱۷ ایک شبہ کا جواب .....

۱۸ امامت پر اجرت لینے کا جواز حاجت عامہ کی بنیاد پر ہے .....

۱۹ لمحۂ فکریہ .....

۲۰ ایک چشم کشا اور مبنی بر حقیقت فتویٰ .....

۲۱ اختلاف محض دلائل کی بنیاد پر ہے .....

۲۲ اختلافی مسائل میں درست موقف جاننے کا طریقہ .....

۲۳ اجرت اور خدمت میں فرق .....

۲۴ ''المعروف کالمشروط'' قاعدہ .....

۲۵ فقہ کا ایک اور قاعدہ .....

۲۶ ایک شبہ کا جواب .....

۲۷ خلاصۂ بحث .....

تقریظ

حضرت مفتی شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

خلیفہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب سہارنپوریؒ

اور بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین أمابعد: تراویح پر اجرت جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے اکابر علماء میں سے بیشتر حضرات نے بہت پہلے سے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہوا ہے، اور دارالعلوم دیوبند سے بھی اس کے عدم جواز کا فتویٰ برابر جاری ہوتا ہے، مگر اسی کے ساتھ ایک رائے اس کے برعکس جواز کی بھی بعض حضرات نے اختیار کی ہے، بعض نے کچھ تاویل کے ساتھ تو بعض نے بلا کسی تاویل کے بھی، اسی طرح ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ اگر طے کرکے اجرت لی جائے تو ناجائز ہے اور اگر بغیر طے کئے ہو تو جائز ہے۔

اور عدم جواز فتویٰ کی بنا دو امر پر ہیں: ایک یہ کہ اس اجرت کو قرآن کریم کی تلاوت کی اجرت مانا گیا ہے اور حسب تصریح فقہاء، تلاوت کی اجرت حرام ہے؛ کیوں کہ یہ عبادت محضہ ہے جس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور ہونا چاہئے، لہٰذا اگر اس پر اجرت کا لین دین ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ تراویح کی امامت اس امامت میں داخل نہیں جس کو فقہاء نے حکم حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، وہ امامت فرائض کی ہے، اور امامت تراویح اس میں داخل نہیں ہے، لہٰذا امامت تراویح کی اجرت علیٰ حالہ ناجائز رہے گی۔

لیکن اس وقت مولانا مفتی سلمان صاحب پالن پوری -حفظہ اللہ تعالیٰ- کی ایک تحریر بہ عنوان ''اجرت تراویح اور خدمت امام'' احقر کے پیش نظر ہے جو انہوں نے اظہار رائے کے لئے میرے پاس بھیجی ہے، اس رسالہ میں مولانا موصوف نے اسی مسئلے پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں اجرت تراویح کو جائز قرار دیا ہے۔

احقر نے اس تحریر کو متعدد بار پڑھا، تاکہ ان کے پیش کردہ دلائل کی قوت کا صحیح اندازہ کرسکوں، ماشاء اللہ مولانا موصوف نے بڑی تفصیل کے ساتھ اور مدلل طریقے پر اس مسئلے پر بحث کی ہے اور امامت تراویح کی اجرت کا جواز ثابت کیا ہے۔ بندہ اگرچہ ایک طویل مدت سے اپنی متعدد تحریرات میں اجرت تراویح کے عدم جواز کا فتویٰ دیتا آیا ہے، اور اس کی بنیاد بھی وہی امور ہیں جن کا تذکرہ اوپر کرآیا ہوں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد میرا رجحان اجرت تراویح کے جواز کی جانب ہوگیا ہے۔ مولانا موصوف نے اس میں ایک تو یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اجرت تلاوت کی اجرت نہیں، بلکہ امامت کی اجرت ہے، اور تلاوت تبعاً وضمناً مقصود ہوتی ہے اور فقہاء نے جو تلاوت پر اجرت کو ناجائز لکھا ہے، اس سے مراد تلاوت مجردہ ہے، جو کسی اور عبادت کے ضمن نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ فقہاء نے جس امامت کو حکم حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، اس میں امامت تراویح بھی داخل ہے، کیوں کہ کسی فقیہ نے اس مستثنیٰ امامت کو فرائض کی امامت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، نیز اس امامت کو مستثنیٰ کرنے کی جو علت ہے وہ جس طرح فرائض کی امامت میں پائی جاتی ہے، اسی طرح تراویح کی امامت میں بھی پائی جاتی ہے۔

اجرت تراویح کے جواز پر موجودہ دور میں بعض اور حضرات کی تحریریں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، مگر ان کی تحریروں میں دلائل کم اور عدم جواز کے قائلین حضرات کے خلاف غیظ وغضب زیادہ نظر آرہا تھا اور تنقید کا لب ولہجہ جارحانہ اور اصول اختلاف سے بے بہرہ معلوم ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ہمارے اکابر نے جو عدم جواز کی رائے قائم کی تھی، وہ کسی نفس پرستی یا جہالت کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ وہ بھی دلائل کی روشنی ہی میں قائم کی گئی تھی، اس

لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کی رائے سے اختلاف تو دلیل ہی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے، غیظ وغضب کا یہاں کوئی موقع نہیں، لیکن چوں کہ مسئلہ بہر صورت اجتہادی ہے، اس بنا پر ان کو بالکل غلط قرار دینے کی کوشش انتہائی ناپاک کوشش اور اسلاف کی عظمتوں سے ناواقفیت کی دلیل اور ان پر بے جا تغلیط و بے محل تنقید ہی کہلائی جاسکتی ہے، لہٰذا دلائل کی بنیاد پر اس میں اختلاف کی تو میں گنجائش ضرور سمجھتا ہوں، لیکن ان کی رائے کو یکسر غلط قرار دینے کی بات کو بے محل اور غلط تصور کرتا ہوں۔

لیکن مولانا سلمان صاحب پالنپوری نے جس خوش اسلوبی سے اور اکابر کے احترام اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، دلائل کی روشنی میں گفتگو کی ہے، اس سے دل بہت خوش ہوا اور قلب مطمئن ہوا۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان دلائل پر کسی طرح کی گفتگو نہیں ہوسکتی یا یہ کہ یہ تحریر حرف اخیر ہے، بلکہ کلام اور بحث کی گنجائش اب بھی موجود ہے، البتہ اس سلسلے میں یہ بات کسی کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ایسے مسائل میں اپنے اپنے دلائل کی روشنی میں بحث وگفتگو کے باوجود کسی کی تغلیط وتردید یا تحقیر وتنقیص کا رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اخلاص کے ساتھ ''دین مبین'' کی خدمت کی توفیق سے نوازے اور آپ کی اس تحریر کو مفید اور رہنما بنائے۔ **اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه. آمین یارب العلمین.**

فقط والسلام

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

خادم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۱۵/رجب ۱۴۳۹ھ

۲/اپریل ۲۰۱۸ء

تقریظ

حضرت مفتی اختر امام عادل قاسمی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور، بہار

آپ کی عطا کردہ علمی اور تحقیقی کتاب ''اجرت تراویح اور خدمت امام دلائل کی روشنی'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس کتاب کے مندرجات سے بالکلیہ اتفاق ہے، آپ نے جس دقت نظر اور وسعت مطالعہ کے ساتھ اس مسئلہ کا جائزہ لیا ہے، اس کے لئے آپ قابل مبارکباد ہیں، آپ کے جملہ مباحث فقہ حنفی کے دائرہ میں ہیں، ان میں نہ عدول ہے اور نہ حدود سے تجاوز، طرز استدلال بھی خالص علمی اور مثبت ہے۔

آج سے قریب بیس (۲۰) سال قبل جب میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں شعبہ فقہ کا ذمہ دار تھا، میں نے طلبہ تخصص کے سامنے اس موضوع پر ایک تحقیقی محاضرہ دیا تھا، اور ان سے کچھ تحریری کام بھی کرائے تھے، آپ نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو منقح کرنے کی کوشش کی ہے، بنظر انصاف اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔

ذاتی طور پر اس باب میں میری رائے بھی ایک زمانہ سے یہی ہے، جس کا اظہار بھی میں نے بعض علمی مجالس میں کیا ہے، البتہ فتویٰ میں ہمیشہ

تقویٰ اور احتیاط کے مطابق جمہور اکابر کے قول کا ناقل رہا ہوں، لیکن اگر جواز کا فتویٰ بھی دیا جائے تو دلائل کی روشنی میں کچھ حرج نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منورواشریف، بہار

۲۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ

تأثرات

حضرت مفتی جمیل احمد نذیری صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

کتاب ''اجرت تراویح اور خدمت امام دلائل کی روشنی'' پڑھ کر احقر کے درج ذیل تأثرات ہیں

(۱) لفظ ''امامت'' ہمارے عرف میں نماز پنجگانہ وجمعہ وعیدین کی امامت کے لئے ہے، تراویح کی امامت کے لئے نہیں، اگر چہ لغوی اعتبار سے تراویح کی امامت پر بھی صادق آتا ہے، مگر عرف عام میں ''امام'' معہ ''امامت'' انہی لوگوں پر محمول ہوتا ہے جو نماز پنجگانہ ونماز جمعہ وعیدین پڑھائیں۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جواز اجرت میں مستثنیٰ لفظ ''امامت'' جو عربی کتب فقہ وفتاویٰ میں مذکور ہے وہ عام ہے، نماز پنجگانہ ونماز جمعہ وعیدین کے ساتھ خاص نہیں، لہٰذا اگر خاص کیا جاتا ہے تو باحوالہ مبرہن کرنے کی ضرورت ہے، کہ ہمارے زمانہ کے عرف کی طرح اس زمانہ کا بھی عرف یہی تھا۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ تراویح میں ختم قرآن کرنے والے حفاظ کا مقصد قرآن سنانا ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن سنانا نماز تراویح کے ضمن میں نماز تراویح کے تابع ہوکر ہوتا ہے، مستقل بالذات نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حافظ رمضان المبارک میں، نماز تراویح کے بغیر مجرد قرآن سنائے تو اس کی جانب عام مسلمانوں کا التفات نہ ہوگا۔

لہٰذا اجرت لیکر، مجرد قرآن سنانے اور پڑھنے کی وعیدیں، تراویح میں نماز تراویح کے تابع بنا کر قرآن سنانے پر، منطبق کرنا محل نظر ہے۔

(۳) اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تراویح، حفاظت قرآن کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ حفظ قرآن کی رغبت ہوتی ہے، اور تراویح میں حفاظ کو قرآن سناتے دیکھ کر خود بھی قرآن حفظ کرنے کا دل چاہتا ہے، اگر خود نہ کر سکے تو اپنے بچوں کو حافظ بنانے کا دل تو چاہنے ہی لگتا ہے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو اسی سے متأثر ہوکر حافظ بنا ہی دیتے ہیں، یا درجہ حفظ میں داخل کرا دیتے ہیں، خواہ وہ بچہ حافظ بن پائے یا نہ بن پائے۔

جب کہ تراویح میں الم ترکیف وغیرہ جیسی سورتیں یا بغیر ختم قرآن، کچھ سورتیں پڑھنے سے یہ رغبت بالکل نہیں ہوتی۔

لہٰذا یہ بات کہ بلا معاوضہ ختم قرآن کے لئے کوئی حافظ نہ ملے تو مفت پڑھانے والے سے الم ترکیف ہی پڑھوالو، احقر کی سمجھ میں نہیں آتا، کیوں کہ یہ حفظ قرآن جیسی عظیم دولت سے تساہل برتنے کے قبیل سے ہے، کمزور دلائل کی بنیاد پر۔

(۴) زیر نظر کتاب نے تراویح میں ختم قرآن کی اجرت دینے ولینے کے مسئلے پر بہت سے باب وا کیے ہیں اور ایسے نکات پر غور وفکر کی دعوت دی

ہے جو یقیناً قابل توجہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جمیل احمد نذیری غفرلہٗ

جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ

تأثر

مفتی اسماعیل صاحب پالنپوری (ماہی) مدظلہ العالی

مدرس دارالعلوم چھاپی، پالن پور، شمالی گجرات

محبّ ومکرم اور برادر گرامی مفتی محمد سلمان صاحب پالن پوری (کھلی) دامت برکاتہم نے آج سے تقریباً چار ماہ قبل غیر کمپوز شدہ، امامت تراویح کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ بندہ کو نظر ثانی کرنے کے لئے دیا، اور فراخدلی کے ساتھ اس پر تنقید کرنے کی بھی اجازت دی لیکن مفتی صاحب نے ساتھ میں یہ شرط لگائی کہ میں نے براہ راست متأخرین فقہاء کی عربی کتب سے اپنا موقف پیش کیا ہے، لہٰذا آپ تنقید بھی صرف عربی عبارات کی روشنی میں فرمائیں گے۔

بندہ نے مقالہ کو بغور پڑھا، پڑھنے کے بعد مفتی صاحب کو اس تحقیق انیق پر داد دی اور کچھ مشورے دیئے، اس کے بعد مفتی صاحب نے اس میں مزید دلائل اور اس باب میں پائے جانے والے چند شبہات کے جوابات لکھ کر باقاعدہ کمپوز کروایا، دوبارہ احقر کو دیکر اپنا تأثر لکھنے کی درخواست کی، احقر نے تعمیل ارشاد میں اضافہ شدہ مقالہ دوبارہ پڑھا۔

واقعہ یہ ہے کہ متقدمین فقہاء کے نزدیک طاعات پر اجرت لینا ناجائز تھا، چاہے ان کا تعلق وسائل سے ہو یا بذات خود مقصود ہوں، اس لئے کہ ان کے دور میں اس منصب کے حاملین کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر تھے، لیکن متأخرین فقہاء کے دور میں یہ چیز ختم ہوگئی، جس کی وجہ سے بغیر وظائف کے حسبۃً للہ یہ امور انجام دینے والے کم ہونے لگے، اس وقت فقہاء نے دین کا ضیاع محسوس کیا، تو انہوں نے ضرورۃً چند امور کے لئے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا، ان میں سے ایک امامت بھی ہے اور ہمارے ناقص علم کے مطابق کسی بھی فقیہ نے امامت کے مفہوم میں صرف فرض نمازوں کو مختص کیا ہو اور دیگر امامت مثلاً امامت جمعہ وعیدین وتراویح کو مستثنیٰ کیا ہو، ایسی صراحت کسی بھی فقیہ سے منقول نہیں، پھر امامت کے عموم سے امامت تراویح کو مستثنیٰ کرنا بلا دلیل ہے، عدم جواز کے قائلین کے نزدیک قوی دلیل یہ ہے کہ تراویح میں ختم قرآن ہوتا ہے، اس لئے تراویح پر اجرت لینا گویا کہ قرآن پر اجرت لینا ہے، یہ دلیل اپنی جگہ اگرچہ مضبوط معلوم ہوتی ہے، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اجرت امامت تراویح کے بالمقابل ہے، جو مقصود اصلی ہے، قرآن کے مقابل نہیں، ختم قرآن یہ بھی اگرچہ مقصود ہے، لیکن مستقلاً مقصود نہیں، بلکہ تراویح کے ضمن میں مقصود ہے، جیسا کہ فرض نمازوں کی امامت میں اصل مقصود، مطلق امامت ہے اور نماز میں قرأت یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے بغیر تو نماز متصور ہی نہیں، لیکن یہ تبعاً مقصود ہے، پس امامت تراویح یہ مقصود اصلی ہوا اور ختم قرآن یہ مقصود ضمنی وتبعی ہوا، اور عقود مقصود اصلی کی طرف منسوب ہوتے ہیں، جیسا کہ میعاد کا معاوضہ لینا اصلاً جائز نہیں، لیکن بیع کے ضمن میں جائز ہے، نفس تراویح مقصود اصلی اور ختم قرآن مقصود ضمنی ہے، اس کی دلیل فقہاء کی یہ تصریح ہے کہ تقلیل جماعت اور ترک تراویح کے اندیشہ کے وقت ختم قرآن کو ترک کردینا افضل ہے، تاکہ مقصود اصلی میں خلل واقع نہ ہو، اس رسالہ میں اس شبہ اور دلیل کا جواب مفصلاً مذکور ہے، اگر کوئی مفتی خالی الذہن ہوکر ان دلائل میں غور کرے گا تو یقیناً یہ شبہ دفع ہوجائے گا، البتہ اگر ختم قرآن کی

صراحتاً اجرت طے کر کے معاملہ کیا جائے، مثلاً عقد کے وقت یوں کہے کہ میں ایک ختم قرآن کے پانچ ہزار روپئے لوں گا اور دو ختم قرآن کے دس ہزار روپئے لوں گا، تو یہ ناجائز اور حرام ہے، کیوں کہ یہ ختم قرآن کی اصلاً اجرت لینا ہے، تبعاً نہیں۔

الغرض مفتی صاحب نے کتابچہ میں بڑی محنت، جدوجہد اور عرق ریزی کے ساتھ فقہاء کی کتابوں سے جو اپنا موقف پیش کیا ہے اور شبہات کے جوابات دیئے ہیں وہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ مفتیان کرام اس مسئلہ پر مزید غور کریں اور متأخرین فقہاء کی عبارات کے پیش نظر جو حق اور صواب ہو اس کو اختیار کریں، ممکن ہے کہ عدم جواز کے قائلین کی نگاہ صرف اردو فتاویٰ پر ہو اور ان کی نظر میں فقہاء کی ذکر کردہ یہ تفصیل نہ ہو جس کو مفتی صاحب نے مرتب انداز میں مدلل جمع فرمایا ہے۔

یہ رسالہ اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اس پہلو پر خالی الذہن ہو کر مزید غور کیا جائے اور فقہاء کی عبارت کو سمجھا جائے۔

دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور صواب تک پہونچنے کے لئے اس رسالہ کو مشعل راہ بنائے۔

فقط والسلام

محمد اسماعیل پالن پوری (ماہی)

۶ رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

ضروری تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی أمابعد:

اجرت تراویح کے مسئلہ میں کب سے تردد تھا، تو دل میں آیا کہ ایک دفعہ اس کے بارے میں کتب فقہ کی طرف مراجعت کر کے مکمل تحقیق کر لینی چاہئے اور اس سلسلہ میں طرفین کے دلائل بھی غور وخوض کے ساتھ ایک نظر دیکھ لینا چاہئے، تاکہ تردد زائل ہو جائے اور تسلی وتشفی حاصل ہو جائے، لیکن طرفین کے دلائل دیکھنے کے درمیان بعض دل خراش اور توہین آمیز جملوں کو پڑھ کر بے حد افسوس ہوا، دلائل کی بنیاد پر کسی مسئلہ میں اختلاف کرنا برا نہیں، البتہ آداب اختلاف کی رعایت کرنا از بس ضروری ہے، ہر فریق کو اپنا موقف سنجیدگی سے پیش کرنے کا حق ہے، دوسرے فریق کو بھی فریق مخالف کے دلائل خالی الذہن ہو کر بہ نظر انصاف ضرور دیکھ لینا چاہئے اور یہ تو اہل علم کا شیوہ رہا ہے، اگر فریق مخالف کا موقف نادرست ہو تو ان کے دلائل کا علمی انداز میں سنجیدگی سے جواب دینا چاہئے، تاکہ ان کی غلط فہمی اور استدلالی غلطی واضح ہو جائے، اگر جانبین سے دلائل پیش کرنے کے باوجود ایک فریق کو دوسرے فریق کے دلائل پر اطمینان نہ ہو تو ہر فریق کو حق ہے، بلکہ علمی دیانت داری کا تقاضا اور شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے موقف پر قائم رہے، اور ایسا اختلاف ان مسائل میں ہوتا ہے جن میں فقہاء کرام کی طرف سے ایسی صراحت منقول نہیں ہوتی کہ جس کے بعد اختلاف رائے کا احتمال ختم ہو جائے، بلکہ ان میں اجمال، ابہام یا احتمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے مراد کی تعیین میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے۔

علمائے امت کے درمیان پہلے بھی اور آج بھی علمی مسائل میں اختلاف اور بحث ومناقشہ ہوا ہے اور ان میں سے بعض نے اس بحث ومناقشہ کے نتیجہ میں اپنی رائے پر نظر ثانی کر کے دوسرے کی رائے کو قبول کیا ہے اور بعض حضرات مخالف رائے رکھنے والوں سے بحث ومناقشہ کرنے کے باوجود اپنی سابقہ رائے پر قائم اور اپنے قول پر مطمئن رہے ہیں اور اس کی بنیاد پر ان کے دل ایک دوسرے سے میلے نہیں ہوتے اور کسی اختلافی مسئلہ نے ان کی محبت کو ختم نہیں کیا، بلکہ وہ اسی موقف پر قائم رہے جو ان کے لئے ضروری تھا، بعض بعض کو معذور قرار دیتا اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتا،

جیسا کہ ان کی سیرت اوران کے بعد کے علماء کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے، اگر چہ بعض حضرات کی روش اس کے خلاف بھی رہی ہے، لیکن ان کی تعداد برائے نام ہے۔

اختلافی مسائل میں ہر فریق اپنے موقف پر فقہاء واسلاف کے کلام سے ہی استدلال کرتا ہے، اس لئے ہر فریق کے گمان میں دوسرے فریق کا موقف فقہاء کے کلام کے خلاف ہوتا ہے، اور ہر فریق اپنے موقف کوفقہاء کا موقف قرار دیتا ہے، اور ہر ایک کا مقصد دلائل شرعیہ اورفقہاء کے کلام کا ہی اتباع ہوتا ہے، اورایسے اختلافی مسائل میں بسااوقات دیکھا یہ جاتا ہے کہ فریق مخالف کے دلائل کے جواب میں صرف یہ بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ موقف؛ ہمارے اکابر کے موقف کے خلاف ہے، اورمحض اسی بنیاد پر فریق مخالف کے موقف کواس کا تفرد قرار دیکراس کے دلائل سننے یا پڑھنے کے بھی روا دار نہیں ہوتے ہیں، حالاں کہ اختلافی مسائل میں اہل علم کا یہ جواب نہ کبھی رہا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اور یہ جواب کوئی جواب ہی نہیں! خصوصاً جبکہ فریق مخالف دلائل میں فقہاء کا کلام پیش کرتا ہو، بلکہ یہ جواب فریق مخالف کواس غلط فہمی میں مبتلا کرسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یا تو اکابر کا موقف اختیار کرنے والے اکابر کے دلائل کو سمجھے ہی نہیں، ورنہ ان کے دلائل کی روشنی میں ہماری استدلالی غلطی وکمزوری سنجیدگی سے واضح کرتے، یا اکابر کا موقف وہ نہیں جو فقہاء کا موقف ہے، اسی لئے جواب میں صرف اکابر کے قول یا موقف کا ہی حوالہ دیا جارہا ہے، اس لئے ایسے اختلافی مسائل میں دلائل کا مضبوط دلائل سے سنجیدگی کے ساتھ خود کے وقار کواور فریق مخالف کے احترام کوملحوظ رکھتے ہوئے ضرور جواب دینا چاہئے محض اکابر کے موقف کا حوالہ دیکر فریق مخالف کوخاموش کردینے کی کوشش کرنا یااس پر صرف اکابر کی مخالفت کا الزام لگا کرخاموش ہوجانا، اسلاف کا طریقہ اوراہل علم کے شایان شان نہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بالفرض اگر اکابر اورفقہاء کے موقف میں اختلاف ہو، تو ہم فقہاء کے موقف کواختیار کرنے کے شرعاً مکلّف ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ ایک ایسے ہی موقع پر تحریر فرماتے ہیں: ''**وھٰذا مایقال فی زلة العالِم زلة العالَم وبعد سماعک نصوص المذھب لایجوز لک تقلیده، فان الجواد قد یکبو، والصارم قد ینبو، ولوفرضنا أنه منقول عن أحد من أھل المذھب المعتمدین مع مخالفته للمتون وغیرھا، لایعول علیه** '' (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۹۰) پس اگر کوئی مفتی کسی جزوی مسئلہ میں فقہاء کے کلام کی روشنی میں پورے اعتماد ووثوق کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ اکابر کا جوموقف ہے وہ فقہاء کا موقف نہیں، تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے لئے اکابر کے موقف کواختیار کرنا فقہاء کی مخالفت ہے اورفقہاء کے موقف کواختیار کرنا اکابر کی مخالفت ہے، اب خود آپ ہی بتائیں کہ ایسے موقع پر اس شخص کوکس کا موقف اختیار کرنا چاہئے؟ اکابر کا یا فقہاء کا؟ ظاہر ہے کہ فقہاء کا ہی موقف اختیار کرے گا، اس لئے یہ نزاکت اور شرعی ذمہ داری پیش نظر رہنی چاہئے کہ ایسے مسائل میں اگر کوئی عالم یا مفتی اکابر کے خلاف موقف اختیار کرتا ہے تو اس کا مقصد صرف اور صرف فقہاء کے موقف کواختیار کرنا اوران کی مخالفت سے بچنا ہوتا ہے، اکابر کی مخالفت مقصود نہیں ہوتی، وہ تو خود بخود لازم آتی ہے، اس سے کوئی چارہ نہیں، اور یہ بظاہر اگر چہ ان کی مخالفت ہے مگر درحقیقت انہی اکابر کی تعلیم وتلقین کی پیروی ہے اوراس میں حفاظت دین بھی ہے۔

اختلافی مسائل میں ہر مفتی کی ذمہ داری ہے کہ قوت دلائل کی بنیاد پر کوئی موقف اختیار کرے، نہ کہ اکثریت اور شخصیات کو دیکھ کر، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:**أن ینظر لما قیل لا لمن قال وأن یعرف الرجال بالحق لا الحق بالرجال.** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۵۲) یہ ممکن ہے کہ کسی مفتی کوقوت دلائل سمجھنے میں غلطی ہوجائے، اور کمزور دلائل کوقوی سمجھ بیٹھے، لیکن وہ اس میں معذور ہے، اور وہ ماجور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ، البتہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ایسے مسائل میں قوت دلائل کی بنیاد پر کسی موقف کوصحیح اورقوی سمجھنے کے باوجود دوسرے موقف کواختیار کرے۔

اختلافی مسائل میں کسی فریق کا تیز کلامی یا بدکلامی پر اتر آنا یا کسی کی نیت پر حملہ شروع کردینا آداب اختلاف کے خلاف اورخود کے وقار کومجروح کرنا

ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں یا دوسرے فریق کے دلائل کا معقول جواب نہیں، ہر فریق کو چاہئے کہ آداب اختلاف کی مکمل رعایت کے ساتھ بحث ومناقشہ کرے، دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کرے اور پوری طرح چوکنا رہے کہ شخصی امور اور نفسانی خواہشات شرعی فرائض اور علمی امانتوں کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائیں، جس کے نتیجہ میں نصیحت فضیحت میں تبدیل ہو جائے اور علمی مناقشہ نزاع وجدال کی صورت اختیار کرلے اور یہ چیز انہیں کشاں کشاں شر وفتنہ تک پہنچادے اور وہ یہ سمجھیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

اجرت تراویح کے بارے میں ہمارے اکثر اکابر کا فتویٰ عدم جواز کا ہے، اس لئے اس کے بارے میں کچھ بھی کہنے اور لکھنے سے ڈر لگتا تھا اور ایک مدت تک اس کے بارے میں لب کشائی اور خامہ فرسائی کرنے سے قصداً وجبراً گریز ہی کرتا رہا، لیکن مسلسل یہ الجھن رہی کہ کسی موقف کو فقہی اعتبار سے درست سمجھنے کے باوجود اس کے خلاف موقف کو اختیار کرنا اور اس پر قائم رہنا علمی دیانت داری اور شرعی ذمہ داری کے خلاف ہے، اور شدت سے بار بار یہ تقاضا پیدا ہوتا رہا کہ اپنے موقف کے دلائل بلاخوف لومۃ لائم اہل علم وارباب افتا کی خدمت میں پیش کردینا چاہئے، لیکن چوں کہ یہ موقف اپنے اکابر کے موقف کے خلاف ہے، اس لئے احقر نے ڈرتے ڈرتے لکھا ہے، اور لکھتے لکھتے ڈرا ہے، مگر صرف اور صرف احساس ذمہ داری اور فقہائے کرام کی مندرجہ ذیل ہدایت کی بنا پر مجبوراً لکھنا پڑا ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: **أن ھٰھنا قاعدة مقررة وھی أن المسائل الفقھیة ان کان مأخذھا معلوماً مشھوراً من الکتاب والسنة والاجماع فلانزاع فیھا لأحدٍ والا بان کانت اجتھادیة ینظر ان نقلھا مجتھد لزم اتباعه بلامطالبة بالدلیل والا فان کان نقلھا عن مجتھد وأثبت نقله فکذٰلک والا فان کان ینقل من قبل نفسه او من مقلد آخر أو أطلق فان بین دلیلاً شرعیاً فلاکلام والاینظر فان کان وافق الاصول والکتب المعتبرة یجوز العمل به وینبغی للعالم ان یطلب الدلیل علیه وان خالف ماذکر فلایلتفت الیه فقد صرحوا ان المقلد ان أفتیٰ بلانقل عن المعتبرات فلاینظر الیٰ فتواہ.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۷۹)

واضح رہے کہ جس طرح ناجائز کو جائز کہنا گناہ ہے، اسی طرح جائز کو ناجائز قرار دینا بھی گناہ ہے، ہم دلائل شرعیہ وفقہیہ کے پابند ہیں، ان سے جس چیز کا جواز ثابت ہوتا ہے اس کو جائز سمجھنا اور کہنا لازم ہے اور جس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے اس کو ناجائز سمجھنا اور کہنا ضروری ہے خواہ اس کا جواز یا عدم جواز ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، احتیاط یہ نہیں کہ کسی چیز کے بارے میں ہمیں ذرا بھی شبہ ہو تو اس کو ناجائز کہہ دیا جائے، بلکہ احتیاط یہ ہے کہ عدم جواز کے دلائل مضبوط ہونے کی صورت میں ناجائز اور جواز کے دلائل مضبوط ہونے کی صورت میں جائز قرار دیا جائے، یہ ممکن ہے کہ قوت دلائل سمجھنے میں اختلاف رائے ہو جائے، بلاشبہ دلائل کی روشنی میں اختلاف کرنا برا نہیں، البتہ مخالفت بری چیز ہے۔

حضرت امام اعظمؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے سینکڑوں مسائل میں اختلاف کیا ہے، اجرت تراویح کے مسئلہ میں کسی کا فقہاء کے کلام سے استدلال کرکے اپنے اکابر یا ہم عصر علماء سے اختلاف کرنا اس سے بڑھ کر نہیں، فقہاء، اسلاف اور اہل علم نے اس قسم کے اختلاف کو کبھی مذموم اور اکابر کے احترام کے خلاف نہیں سمجھا، لیکن رفتہ رفتہ فقہاء واسلاف کا یہ قابل تقلید مخلصانہ مزاج اور عمدہ وصف ختم ہوتا جارہا ہے، اکابر سے کسی بھی مسئلہ میں اختلاف خواہ فقہاء کے کلام سے استدلال کرکے ہی کیوں نہ ہو مطلقاً مذموم سمجھ کر مخالفت پر محمول کیا جانے لگا ہے۔

اب تو بعض حضرات اپنی رائے اور موقف کو ایسے مسئلہ میں بھی جس کے بارے میں فقہائے کرام کی طرف سے کوئی واضح اور تشفی بخش صراحت منقول نہیں ہوتی ہے قطعاً صحیح اور دوسرے کی رائے اور موقف کو قطعاً غلط اور باطل قرار دیتے ہیں، جبکہ خود مجتہد کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو ''**صواب یحتمل الخطأ**'' سمجھے، تو پھر ہماری رائے اور موقف خواہ وہ فقہاء کے کلام سے ہی استدلال کرکے قائم کیا گیا ہو، کیوں کر قطعاً صحیح اور

دوسرے کا موقف قطعاً غلط اور باطل ہوسکتا ہے؟ البتہ ہر فریق کو حق ہے کہ اپنے موقف کو صحیح اور درست قرار دے اور دوسرے کے موقف کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ موقف درست نہیں، مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں! بلکہ اب سنجیدگی اور مضبوط دلائل سے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے اور دوسرے موقف والوں کی استدلالی غلطی اور کمزوری واضح کرنے کی ضرورت ہے اور قوت صرف دلائل میں ہونی چاہئے، الفاظ اور آواز میں نہیں۔

مسئلہ کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر کچھ تمہیدی باتیں لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، خصوصاً اس لئے بھی کہ دلائل کی روشنی میں اختلاف کے بجائے آج کل مخالفت کا ماحول نظر آتا ہے اور دل میں اس مسئلہ کے بارے میں کب سے تردد تھا، جس کی بنا پر تمنا تھی کہ ایک طالب علمانہ بحث کے طور پر اپنے موقف کے دلائل اہل علم کی خدمت میں پیش کر دینا چاہئے، تاکہ غور وخوض میں آسانی پیدا ہو اور حقیقت کھل کر سامنے آجائے.... ؎ تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

لہٰذا اہل علم سے گذارش ہے کہ بالکل خالی الذہن ہوکر تنقیدی نگاہ سے، لیکن بہ نظر انصاف اور ''انظر الی ماقال، ولاتنظر الی من قال'' پر عمل پیرا ہوکر اس تحریر کا مطالعہ فرمائیں گے اور قوی توقع ہے کہ اس کو اکابر یا کسی کے فتویٰ کی مخالفت پر محمول نہ کرکے فقہاء کے موقف کی وضاحت اور ایک فقہی مسئلہ کی علمی تحقیق کے سلسلہ میں ایک ادنیٰ سی کاوش تصور کریں گے، اگر کسی کو دلائل کی روشنی میں اس موقف پر شرح صدر نہ ہو، تو وہ خوشی سے اپنے موقف پر قائم رہے، احقر کو یہ اصرار نہیں کہ اس موقف کو بہر صورت تسلیم کر ہی لیا جائے اور نہ یہ دعویٰ ہے کہ دوسرا موقف قطعاً غلط اور باطل ہے، ہاں اپنے موقف کو دلائل کی روشنی میں فقہاء کا موقف اور صحیح ضرور سمجھتا ہے۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را ❁ تو دانی حساب کم و بیش را

اخیر میں مکرر عرض ہے کہ ہمیں اپنے اکابر کے اخلاص، تقویٰ، للّٰہیت، ذہانت اور تبحر علمی پر مکمل اعتماد ہے اور ہم ان ہی کے خوشہ چیں ہیں، ان کے احترام وعظمت سے ہمارے دل لبریز ہیں، لیکن کسی جزوی مسئلہ میں فقہاء کے کلام سے استدلال کرکے ان سے اختلاف کرنا، ان کے احترام اور ان کی تبحر علمی پر اعتماد کے خلاف نہیں، اگرچہ اب تو بعض حضرات اس کو بھی فارسی کے مشہور مقولہ ''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است'' کا مصداق سمجھتے ہیں۔ فیا للعجب!

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے طالب علمی کے دور میں اپنے والد گرامی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حکم سے ایک ایسے نازک موضوع پر قلم اٹھایا تھا، جسے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ نے ''جماعت نوافل در رمضان غیر تراویح'' کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا، اس مسئلہ کی نزاکت کو بیان کرتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان حضرت محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ معاملہ نفس مسئلہ کی حیثیت سے تو کچھ اہم نہ تھا، لیکن حضرت مولانا مدنیؒ کے فتویٰ پر تنقید کی حیثیت نے اس کو اتنا اہم بنا دیا کہ اس میں کافی بحث وتحقیق کے بغیر قلم اٹھانا مشکل تھا'' مختصر یہ کہ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے والد محترم کے حکم کے مطابق جب اس نازک موضوع پر اپنا تحقیقی مضمون مکمل کرلیا تو اخیر میں ایک ضروری گذارش کے عنوان سے چند سطور ایسی تحریر فرمائی ہیں جو واقعتاً آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، حضرت مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

''آخر میں گذارش ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی عظمت شان، جلالت قدر اور علمی تبحر کے پیش نظر تو اس مسئلہ پر قلم اٹھانے کی جرأت کسی بڑے عالم کو بھی نہیں ہونی چاہئے، چہ جائیکہ مجھ جیسا طفل مکتب اس پر کچھ لکھے، لیکن الحمدللہ جماعت دیوبند کی خصوصیت اور انہی

بزرگوں کی تعلیم وتلقین نے ہمیں یہ صراط مستقیم دکھائی ہے کہ مسائل شرعیہ میں آزادانہ اظہار رائے، ترک ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہار خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لئے بنام خدا تعالیٰ جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھے واضح ہوا وہ لکھ دیا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنی ترک ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھے، آمین۔" (فتاویٰ عثمانی ج ۱ ص ۵۰۲)

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کی اسی تحریر کے تناظر میں احقر کی یہ تحریری کاوش وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ ترک ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھے۔ (آمین)

موقع کی مناسبت سے ایک درد بھرا اقتباس نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کو علامہ شامیؒ نے اپنے مشہور رسالہ "شفاء العليل وبل الغليل فی بطلان الوصية بالختمات والتهاليل " کے شروع میں تحریر فرمایا ہے: ولم آت بشيءٍ بدون مستندٍ ولم أستند الا لنقل صحيح معتمد، فأقسم بالله العظيم علیٰ من رأیٰ ماأقول، واطلع علیٰ ما سطرته من النقول، أن ينظر بعين الانصاف، ويجانب سبيل الاعتساف، ويعيد النظر مرة بعد مرة، ويكرر التفكر كرة بعد كرة، ويلاحظ أنه موقوف للحساب، مسئول عن الجواب، كيلايصده الطمع فی الدنيا الفانية عماينفعه فی الآخرة الباقية، وأن ينظر لما قيل لا لمن قال، وأن يعرف الرجال بالحق، لاالحق بالرجال، فان راٰه صواباً فليذعن والا فليدلل علیٰ مايدعيه وليبرهن بنقل صالح ماأقول، ولما أثبته من صريح النقول.... وانی وربی شاهد مريد اظهار الحكم الشرعی والخروج من عهدة اداء الواجب المرعی، ولم أرد تقبيح فعل أحد بعينه ولا اظهار زيفه وشينه، فيمن ظن بی خلاف ذٰلک أونال منی، فقد جعلت ربی خصماً عنی، والی الله مرجعنا والموقف يجمعنا. (رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۵۲)

اس تحریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ سے متعلق فقہائے کرام کے کلام سے احقر نے جو سمجھا ہے وہ اہل علم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

میں یہ سمجھا ہوں بتانا ہے فقط ❁ یہ نہیں دعویٰ کہ تم سمجھے غلط

کسی کے فتوے کی تردید یا اکابر کے فتوے کی مخالفت کلا وحاشا مقصود نہیں، اگر چہ یہ سب کچھ خود بخود لازم آتا ہے، لیکن اس پر تو کسی کا بس نہیں، لہٰذا اگر کوئی اس کو کسی کے فتوے کی تردید یا اکابر کی مخالفت پر محمول کرے تو پھر فالی اللہ المشتکیٰ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ؎

گر صحیح سمجھا خدا کا فضل ہے ❁ ورنہ پھر یہ بندے ہی کا جہل ہے

ممکن ہے کہ انداز تحریر سے کسی کو یہ محسوس ہو کہ اس کتاب میں جا بجا اکابر کی باتوں کی تردید اور ان پر اعتراض ہے، لیکن باادب عرض ہے کہ ایسے اختلافی مسائل میں یہ انداز تحریر اپنے موقف کی وضاحت اور مافی الضمیر کے اظہار کے لئے تقریباً لازم ہے، اس کے بغیر اپنے موقف کی کماحقہ وضاحت نہیں ہو پاتی، اس لئے امید ہے کہ اس انداز تحریر کو راقم کی مجبوری سمجھیں گے، جسارت اور بے ادبی نہیں۔

حرف گیری ہے اکابر پر نہ قصد اعتراض ❁ جانتا ہے خوب! اپنی قدر خود بندہ ایاز
تھا مگر فقہی دلائل کا تقاضا بس یہی ❁ حق جسے سمجھا وہ لکھ دوں باادب باصد نیاز

نوٹ: اجرت تراویح کا مسئلہ چوں کہ معرکۃ الآراء ہے، اس لئے مسئلہ کی اہمیت اور وضاحت کے پیش نظر کہیں کہیں چند باتوں کا تکرار، لیکن مختلف انداز سے مفید سمجھ کر گوارا کیا گیا ہے، قوی توقع ہے کہ محترم قارئین بھی اس کو مفید گردان کر بہ طیب خاطر گوارا کریں گے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

احقر:محمدسلمان قاسمی پالن پوری، جامعہ خلیلیہ اسلامیہ (خانقاہ) ماہی، پالن پور،شمالی گجرات

۲۰رمحرم الحرام ۱۴۳۹ھ

دینی کاموں پر اجرت

اجارہ کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ دینی کاموں پر اجرت کا ہے، دینی کاموں سے وہ خدمات مراد ہیں جو مسلمانوں سے ہی متعلق ہیں، بہ حیثیت مسلمان انجام دی جاتی ہیں، اور دراصل اس کے نفع وضرر اور اس پر اجر وثواب اور اس سے غفلت و بے اعتنائی پر عذاب وعقاب کا علاقہ بھی آخرت ہی سے ہے، اخلاص وایمان کا تقاضا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی قیمت وصول نہ کی جائے، ان ہی طاعات میں قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم، اذان واقامت وغیرہ داخل ہیں، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی تمام منقول روایتیں اس پر متفق ہیں کہ طاعت پر اجیر رکھنا باطل ہے، اور مذکورہ چیزوں پر اجرت ان کے نزدیک ''اقرأوا القرآن ولاتأكلوا به '' کی وعید میں داخل ہے، لیکن یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سلف صالحین اور متقدمین فقہاء کے نزدیک کے زمانے میں علماء اور خدام دین کو اپنی ضروریات کی تکمیل اور زندگی گزارنے کے لئے بیت المال کی جانب سے وظائف ملتے تھے اور عوام بھی مجازاۃ الاحسان بالاحسان کی عمدہ صفت کے ساتھ متصف تھے، جس سے فراخی اور وسعت کے ساتھ ان کی ضروریات پوری ہوجاتی تھیں، خلافت راشدہ کے اختتام، مملکت کی اسلامی تعلیمات سے دوری اور خدا ناترس بادشاہوں سے علماء کے استغناء کی بنا پر یہ صورت ختم ہوگئی اور ان کے لئے بظاہر اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی سہارا باقی نہ رہا، نتیجتاً حسبۃً للہ تعلیم دینے والے کم ہوگئے، لہٰذا متأخرین فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے چند طاعات پر اجرت لینے کی اجازت دیدی، اور وہ بھی بتدریج ایک کے بعد ایک طاعت پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے، بیک وقت ان طاعات پر اجرت لینے کی اجازت نہیں دی گئی، چنانچہ سب سے پہلے فقہاء نے صرف تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی اجازت دی تھی۔

ولايجوز أخذ الأجرة عليه والحج والاذان والاقامة وتعليم الفقه والفتوىٰ اليوم على جوازه لتعليم القرآن. انتهٰى. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۵۸)

اس وقت کے فقہاء نے تعلیم فقہ، اذان وامامت وغیرہ کی ضرورت کو اجرت کے جائز ہونے کے بارے میں تسلیم نہیں کیا تھا، اور ان پر اجارہ کو بلاضرورت اور باطل قرار دیا تھا، حالاں کہ اس وقت بیت المال سے وظائف بند ہوگئے تھے، مجازاۃ الاحسان بالاحسان مفقود ہوگیا اور خدام دین کسب معاش پر مجبور ہوگئے تھے۔

والفتوىٰ اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن.... وأما اليوم فذهب ذٰلک كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل مايعلم حسبةً ولايتفرغون له ايضاً، فان حاجتهم تمنعهم من ذٰلک فلولم يفتح لهم باب التعليم بالأجر لَذهب القرآن فافتوا بجوازه لذٰلک. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۰) بخلاف الامام والمؤذن لأن ذٰلک لايشغل الامام والمؤذن عن المعاش وقال السرخسیؒ واجمعوا على أن الاجارة على تعليم الفقه باطل. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۵۸)

پھر ان کے بعد کے فقہاء نے ایک مدت کے بعد تعلیم فقہ پر اجرت لینے کی اجازت دیکر اس کو بھی ضرورت میں داخل کیا، لیکن انہوں نے بھی اذان وامامت کی ضرورت کو جواز اجرت کے حق میں تسلیم نہیں کیا تھا، حالاں کہ یہ دونوں شعائر میں سے ہیں۔ قال في النهاية يفتٰى بجواز الاستيجار على تعليم الفقه ايضاً في زماننا (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۱)

قدعملت ان جل المتون واجلها صرحوا بعدم الجواز على الاذان والامامة مع أنهما من أعظم شعائر الاسلام ولم ينظروا الىٰ ما فى ضياعهما من الضرر العام. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۷)

پھران کے بعد کے فقہاء نے تحفظ شعائر کی ضرورت کی وجہ سے اذان وامامت پر اجرت لینے کی اجازت دیدی۔ وأفتىٰ من بعدهم ايضاً من أمثالهم بصحته على الاذان والامامة لأنهما من شعائر الدين فصححوا الاستيجار عليهما للضرورة ايضاً، فهٰذا ماأفتىٰ به المتأخرون عن ابى حنيفةؒ وأصحابه لو كانوا فى عصرهم لقالوا بذٰلک ورجعوا عن قولهم الأول. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۴)

پھران کے بعد کے فقہاء نے اقامت اوروعظ کوبھی ایک دینی ضرورت شمار کرکے ان پربھی اجرت لینے کی اجازت دیدی۔ وزاد بعضهم الاقامة والوعظ. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۵۸)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہاء نے چنداطاعت پرضرورت کی وجہ سے اجرت لینے کی اجازت دیدی ہےاوراس ضرورت کے مفہوم میں حالات زمانہ کے اعتبار سے بتدریج توسع پیدا کیا گیا ہے، چنانچہ تعلیم قرآن، امامت اوروعظ کی ضرورتوں کے درمیان بہت بڑافرق ہے، امامت کی ضرورت تعلیم قرآن کے درجہ کی ضرورت نہیں، جیسا کہ وعظ کی ضرورت امامت کے درجہ کی نہیں، اسی لئے بہ یک وقت ان پراجرت لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، لیکن نفس معتدبہ ضرورت اورحاجت ناس میں سب مشترک ہیں۔

ضرورت کے مفہوم میں توسع پیدا کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ رفتہ رفتہ دینی کاموں میں سستی اوران کوحسبۃً للہ انجام دینے کا جذبہ کم ہوتا رہا، اورنوبت یہاں تک پہنچی کہ متأخرین فقہاء نے اپنے زمانے کے بارے میں لکھا ہے کہ اب تبرعاً دینی خدمات انجام دینے والے باقی نہیں رہے، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریرفرماتے ہیں: وبعض المتون ألحقوا بتعليم القرآن تعليم الفقه والاذان والامامة وعلل الشراح ذٰلک بالضرورة وحاجة المسلمين لعدم من يقوم بذٰلک تبرعاً فى زماننا لانقطاع ماكان لهم فى زمان المتقدمين. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۳)

اگرصرف وظائف کا بند ہوجانا، مجازاۃ الاحسان بالاحسان کاختم ہوجانا، اورخدام دین کا کسب معاش پرمجبور ہوجانا یا مستثنیٰ طاعات کا ضروریات دین میں سے ہونا ہی طاعات پراجرت لینے کے جواز کی علت ہوتی تو فقہاء نے سب سے پہلے جب تعلیم قرآن پراجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اسی وقت تعلیم فقہ، اذان وامامت اوروعظ پربھی اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیدیتے، کیوں کہ یہ علت اسی وقت سے موجود ہے، حالاں کہ اذان وامامت پراجرت کے جواز کا فتویٰ اس کے صدیوں بعد دیا گیا ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ علت اورحکم کے درمیان ادنیٰ فاصلہ بھی نہیں ہوتا ہے، چہ جائیکہ صدیوں کا فاصلہ ہو، نیز جن فقہاء نے تعلیم قرآن وفقہ پراجرت کے جواز کا فتویٰ دیا تھا انہوں نے اذان وامامت کوکسب معاش سے مانع نہ قرار دیکراس پراخذ اجرت کوناجائز قرار دیا تھا، اور بعد کے فقہاء نے ان کوبھی کسب معاش سے مانع قرار دیکران پراجرت لینے کوجائز قرار دیا ہے، تعليل ماتقدم أن الاذان والامامة لايشغل عن المعاش غير مسلّم (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۰)

یہ ممکن نہیں کہ متقدمین فقہاء اذان وامامت کا کسب معاش سے مانع ہونا نہ سمجھ سکے ہوں، لیکن متأخرین فقہاء نے اس حقیقت کوسمجھ لیا ہو؟ بلکہ اصل وجہ اس کی یہ تھی کہ تعلیم کی طرح اذان وامامت کے لئے مستقل مشغولی اورطویل وقت کی ضرورت نہیں تھی، اور ہرشخص وقت پرمسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہی ہے اور پہلے زمانے میں دینی خدمات تبرعاً انجام دینے کا جذبہ بھی موجود تھا، جس کی وجہ سے اذان وامامت جیسی مختصر دینی خدمات لوگ تبرعاً انجام دیدیا کرتے تھے، لیکن جب بعد کے زمانے میں اذان وامامت جیسی مختصر دینی خدمات تبرعاً انجام دینے والے عموماً باقی نہیں رہے اورفقہاء کو یہ

خطرہ محسوس ہوا کہ اگر اب بھی اذان وامامت وغیرہ طاعات کو تبرعاً انجام دینے والوں پر موقوف رکھا گیا ہے، اوران پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا گیا تو ان کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہے، حالاں کہ یہ دونوں شعائر میں سے ہیں، لہٰذا ان کا تحفظ ضروری ہے، چنانچہ متأخرین فقہاء نے بڑی دور اندیشی سے عمومی حالات کے پیش نظر اذان وامامت پر مطلقاً اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیدیا۔

لأن ما أجازوه، انما أجازوه فی محل الضرورة کالاستیجار لتعلیم القرآن أو الفقه أو الاذان أوا لامامة خشیة التعطیل لقلة رغبة الناس فی الخیر. (الرد المحتار ج/۱۰ ص/۳۲۷، باب الوصیة للأقارب وغیرهم)

ثم أفتی المشائخ بجواز أخذ الأجرة علی الاذان والاقامة وتعلیم الفقه والعلوم الشرعیة لتهاون الناس وزوال الرغبة فی ذٰلک ان کان دون أجرٍ (الکافی فی الفقہ الحنفی ج/۳ص/۱۲۵۳، کتاب الاجارہ)

أفتی المتأخرون من مشائخ المذهب، الذین هم أهل الاختیار والترجیح بالجواز علی التعلیم وزاد بعضهم الاذان والامامة للضرورة وهی خوف ضیاع القرآن والاذان والامامة اللذَین هما من شعائر الدین لأن المعلمین کان لهم عطایا من بیت المال ثم انقطعت فاذا لم یأخذوا الأجرة لایشتغلون بالتعلیم والاذان والامامة فیلزم ضیاع الدین، فأفتی المتأخرون بجواز الاستیجار لهٰذه الضرورة کماصرحوا بذٰلک فی عامة کتب أصحابنا. (رسائل ابن عابدین ج/۱ص/۳۱۵)

متأخرین فقہاء نے عمل آخرت کی دو قسمیں کردی ہیں (۱) وہ عمل آخرت جو عبادت مقصودہ بالذات ہے، جیسے نماز، روزہ، تلاوت، حج، تسبیح وغیرہ، ان پر اجرت لینا جائز نہیں، کیوں کہ ان کی مشروعیت ہی عبادت اور خلوص للہ کے لئے ہوئی ہے، لہٰذا ان پر اجرت لینا قلب موضوع ہے (۲) وہ عمل آخرت جو پہلی قسم کے لئے وسیلہ ہے، جیسے تعلیم، امامت وغیرہ، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم میں نیت اچھی ہوگی تو ہی ثواب ملے گا ورنہ نہیں، لیکن یہ بہرصورت وسیلہ باقی رہے گا، متقدمین فقہاء کے نزدیک دونوں قسموں پر اجرت لینا ناجائز تھا، کیوں کہ دونوں کی وضع آخرت کے فائدے کے لئے ہوئی ہے، لیکن متأخرین فقہاء نے ضرورتاً اس کے وسیلہ ہونے کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے اخذ اجرت کے حق میں دوسری قسم کو عمل دنیا کے ساتھ لاحق کردیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔

ثم حرر أن قول المتأخرین بجواز اخذ الأجرة علی الامامة والاذان وتعلیم القرآن انما ارادوا به الاخذ علی طریق الصلة والقربة بسبب اتصاف المعطی بعمل من أعمال البر وکذا أرزاق القضاة أو یکون مرادهم بالأجرة مایوخذ فی مقابلة اتعاب النفس فی الامامة والتأذین فی حضور موضع معین وقیامه به وقتاً معیناً، فانه لیس بواجب علیه الاأن لایوجد غیره، فتجویز الاجارة فیها لیس من حیث أنها عبادة بل من حیث أنها وسیلة لها، فان عمل الآخرة نوعان، الأول مایکون قربة مقصودة بالذات کالصلوٰة والصوم والتلاوة والتسبیح والحج ونحوها فلایجوز أخذ الاجرة علیه لأنه ماشرع الابوصف العبادة والخلوص لله تعالٰی واردة الدنیا به قلب الموضوع، والثانی مایکون وسیلة وآلة للنوع الأول کالتعلیم والامامة ونحوهما، ولاخلاف انه اذا وجد النیة فیه لله تعالٰی یکون قربة یثاب علیها والا لا! ولٰکن یبقٰی کونه وسیلة وآلةً، والمتقدمون لم یجوزوا أخذ الأجرة علی النوعین لأن وضعهما لنفع الآخرة، والمتأخرون ألحقوا الثانی بعمل الدنیا فی جواز أخذ الأجرة للضرورة من حیث کونها وسیلة، فاذا فهمت ذٰلک علمت أنه لیس فی مذهب الحنفی وغیره جواز أخذ الأجرة علی العبادة المقصودة بالذات وانما هی علٰی الوسائل من حیث کونها وسیلةً، والحاصل أن أخذ الأجرة علی العبادات حرام، ومایأخذه الفقهاء ونحوهم اما صلة لهم أو

كفاية لهم عن الاشتغال بالكسب، واما أجرة على اتعاب النفس فيما دون العبادات. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۷۸)

حاصل یہ کہ مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کے جواز کی اصل علت تو صرف بیت المال سے وظائف بند ہوجانے اور مجازاۃ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے دینی خدمات مفت انجام دینے کی رغبت کم یا ختم ہوجانا ہے، اور اس کی وجہ سے وہ طاعات جو ضروریات دین میں سے ہیں، ان کے ضیاع کا قوی اندیشہ لاحق ہوگیا، اسی کو فقہاء نے ضرورت اور حاجت ناس سے تعبیر کیا ہے، اور فقہی حوالوں سے یہ طے شدہ امر ہے کہ مذکورہ ضرورت امامت تراویح میں یقیناً متحقق ہورہی ہے۔ کماسیأتی۔ لہٰذا اس پر اجرت لینا دینا جائز ہوگا، عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

امامت سے مراد کیا ہے؟

متأخرین فقہاء نے استیجار علی الطاعۃ کی ممانعت سے امامت کا ضرورتاً یعنی ضروریات دین اور شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے استثناء کیا ہے اور مستثنیٰ امامت میں امامت مکتوبہ کی طرح امامت تراویح بھی داخل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ جس طرح مسجد میں فرض نمازوں کے قیام یعنی امامت مکتوبہ سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح مسجد میں باجماعت تراویح کے قیام یعنی امامت تراویح سے بھی شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، یہ شعائر ظاہرہ میں سے ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے، لہٰذا یہ بھی ضروریات دین اور شعائر میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ سنن ونوافل میں جماعت مکروہ ہونے اور ان کا حدیث کی رو سے گھر میں پڑھنا افضل ہونے کے باوجود، نماز تراویح کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

وبعض المتون ألحقوا بتعليم الفقه والاذان والامامة وعلل الشراح ذٰلک بالضرورة وحاجة المسلمين لعدم من يقوم بذٰلک تبرعاً في زماننا لانقطاع ماكان لهم في زمان المتقدمين. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۳)

اس عبارت میں حاجۃ المسلمین میں امامت تراویح بھی داخل ہے کیوں کہ مسجد میں جماعت تراویح کا قیام بالکلیہ ترک کرنے کی صورت میں صحیح قول کے مطابق سب لوگ گنہگار ہوتے ہیں، اس گناہ سے بچنے کے لئے لوگوں کو اجرت پر امام رکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں: الثالث ما صححه في المحيط والخانية واختاره الهداية وهو قول أكثر المشائخ على ما في الذخيرة وقول الجمهور على ما في الكافي ان اقامتها بالجماعة في المسجد سنة على الكفاية حتّٰى لوترک أهل المسجد كلهم الجماعة؛ فقد ساء وا وأثموا (البحرالرائق ج۲/ص۶۸ وکذا فی العالمگیریۃ) یہی وجہ ہے کہ کسی بھی فقیہ سے مستثنیٰ امامت کا امامت مکتوبہ کے ساتھ مقید ہونا منقول نہیں ہے۔

أن الجماعة فيها سنة على الكفاية..... وان صلى أحد في البيت بالجماعة حصل لهم ثوابها وأدركوا فضلها، لٰكن لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته واظهار شعائر الاسلام وهٰكذا في المكتوبات أي الفرائض.... والحاصل أن كل ماشرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان واظهار الشعائر وتكثير سواد المسلمين وايتلاف قلوبهم. (شرح منیۃ المصلی ص۴۰۲۔ ابواب التراویح وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۸۶/ باب الامامت)

قال النوويؒ: واختلفوا في أن الأفضل صلاتها منفرداً أم في جماعة في مسجدٍ؟ فقال الشافعيؒ وجمهور أصحابه وأبو حنيفة وأحمد وبعض المالكية وغيرهم الافضل صلا تها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابةؓ واستمر عمل المسلمين عليه لأنه من الشعائر الظاهرة فأشبه صلاة العيد. (اوجز المسالک ج۲/ص۳۸۱، وکذا فی معارف السنن ج۵/ص۵۵۶)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: وذكر الطحاوي رحمه الله تعالٰى في اختلاف العلماء؛ وقال لاينبغي أن يختار الانفراد على وجه

يقطع القيام فى المسجد، فالجماعة من سنن الصالحين والخلفاء الراشدين رضوان اللّٰه عليهم اجمعين حتّٰى قالوا رضى اللّٰه عنهم: نور اللّٰه قبر عمر رضى اللّٰه عنه كما نور مساجدنا، والمتدعة انكروا أدائها بالجماعة فى المسجد فأدائها بالجماعة جعل شعاراً للسنة. (المبسوط للسرخسی الجزء الثانی ص ۱۵۴)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ جماعت تراویح شعائر میں سے ہے، اگر وہ شعائر میں سے نہ ہوتی، تو اس سے شعائر اسلام کا اظہار نہ ہوتا، نیز شعائر ظاہرہ میں سے ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے، لہٰذا مستثنیٰ امامت میں بلاشبہ امامت تراویح بھی داخل ہے، امامت تراویح کو اس سے خارج قرار دینا بلادلیل ہے، وقصره على بعض مدلولاته من غير دليل لايجوز، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: وصرحوا بأن المتأخرين اختاروا ذٰلک استحساناً فقد أبقوا ماعدا المستثنىٰ مما ليس فيه ضرورة داخلا تحت المنع الذى هو أصل المذهب. (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۸۳) اور امامت تراویح مستثنیٰ میں سے ہے، مستثنیٰ کے علاوہ میں سے نہیں ہے۔

بعض کتب فقہ میں امامت تراویح پر اجرت لینے کو جو ناجائز کہا گیا ہے وہ متقدمین فقہاء کا مذہب ہے۔ قال الحاكم: من أصحابنا فى كتابه الكافى ولايجوز أن يستأجر رجلاً أن يعلم أولاده القرآن والفقه والفرائض أو يؤمهم فى رمضان أو يؤذن. (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۵۴)

ولو استأجروا من يؤمهم فى رمضان وغيره لم يجز، لأن المصلى عامل لنفسه فلايستوجب الأجر على غيره وكذٰلک ان استأجروا من يؤذن لهم. (المبسوط للسرخسی، الجزء السادس عشر ص ۴۱/ کتاب الاجارہ)

فتاویٰ عالمگیری میں بھی نماز تراویح کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے: ويكره للرجال أن يستأجروا رجلاً يؤمهم فى بيتهم لأن استيجار الامام فاسد. لیکن محشی نے اس پر حاشیہ لگا کر تحریر کیا ہے: قوله –لأن استيجار الامام فاسد– هٰذا مبنى على قول القدماء، والمتأخرون جوزوا الاستيجار على الامامة ونحوها وهو المفتىٰ به فى زماننا. (الفتاویٰ العالمگیریہ ج ۱/ص ۱۱۶۔ مکتبہ زکریا) اس سے بلاشبہ معلوم ہو گیا کہ مستثنیٰ امامت میں امامت تراویح بھی داخل ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''تراویح کا ختم اور ایصال ثواب شعائر میں سے نہیں ہے، اگرچہ طاعت عبادت ہے (اس لئے اس کے لئے محبوس ہونا موجب جزا نہیں ہوسکتا) البتہ خود تراویح اور پانچوں وقت کی نماز شعائر میں سے ہے، اس لئے اگر مفت امام نہ ملے تو اجرت ٹھہرانا درست ہے'' (احکام العشر الاخیرہ ص ۳۶۶/۔ بحوالہ تحفہ حفاظ مع احکام التراویح ص ۵۸/ مرتبہ مفتی زید ندوی مظاہری)

یہاں یہ تاویل ممکن ہے کہ اس اجرت کو (خواہ مشروط ہو یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے) بمقابل امامت کے کہا جائے جس کو متأخرین فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۱/ص ۴۸۳)

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی شاہی مرادابادی کی یہ تحریر بھی اس باب میں نہایت اہمیت کی حامل ہے، حضرت مفتی صاحب رقمطراز ہیں: ''موضوع بحث ختم قرآن پر اجرت کا جواز اور عدم جواز ہے، نفس تراویح پر اجرت کا جواز اور عدم جواز نہیں، اگر کسی جگہ الم تر كيف سے تراویح کی نماز ہوتی ہے اور امام اس پر اجرت لیتا ہے، تو میری معلومات میں فقہائے متأخرین اور اکابر اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی اس کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے'' (انوار رحمت ص: ۴۸۹)

حضرت مفتی صاحب کی بیان کردہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

کفایت المفتی میں ہے''**سوال**'' گذشتہ ماہ رمضان سنہ رواں میں یہاں کے تجار؛ کاٹھیاواڑی اور کچھی میمنوں نے ایک مصری حافظ صاحب کوممبئی سے ایک سوتیس روپئے اجرت مقرر کر کے کچھیوں والی مسجد میں تراویح پڑھانے کو بلایا تھا....کیا اجرت دیکر امام مذکور کو بلانا جائز ہے؟

جـــواب: متأخرین فقہائے حنفیہ نے امامت کی اجرت لینے دینے کے جواز کا فتوی دیا، پس اگر امام مذکور سے معاملہ امامت نماز کے متعلق ہوا تھا تو درست تھا، لیکن قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، اگر معاملہ قرآن سنانے کے لئے ہوا تھا تو ناجائز تھا۔ واللہ اعلم۔ (کفایت المفتی ج۳؍ص۳۸۵؍۔مکتبہ زکریا۔وکذا فی فتاوی قاسمیہ ج۸؍ص۵۵۴؍۔فتاوی النوازل ج۵؍ص۱۵۷؍)

مذکورہ سوال سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مصری حافظ کو اجرت طے کر کے ختم قرآن کے ساتھ نماز تراویح پڑھانے کے لئے بلایا گیا ہے، اگر صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھنا مقصود ہوتا تو مصری حافظ کو ممبئی سے بلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا حضرت مفتی صاحب کے جواب سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)امامت تراویح کے لئے اجرت طے کر کے معاملہ کرنا جائز ہے اگر چہ حافظ کو بلایا جائے اور تراویح ختم قرآن کے ساتھ پڑھنا مقصود ہو۔

(۲)اگر صراحتاً ختم قرآن کے لئے اجارہ کا معاملہ کیا جائے اور اجرت کو صراحتاً قرآن سنانے کے مقابل قرار دیا جائے تو یہ ناجائز ہے، کیوں کہ تلاوت کی اصلاً اجرت لینا جائز نہیں، خواہ تلاوت مجردہ ہو یا غیر مجردہ، اور قرآن واحادیث میں قرآن مجید پڑھ کر معاوضہ اور اجرت لینے کو جو ناجائز کہا گیا ہے، اس کا مصداق بقول متأخرین فقہاء کے تلاوت پر اصلاً اجرت لینا ہے، خواہ تلاوت مجردہ یا غیر مجردہ، تلاوت مجردہ چوں کہ مستقل بالذات ہوتی ہے، دوسری عبادت یا عمل کے ضمن میں نہیں ہوتی ہے، اور اس کی جب بھی اجرت لی جاتی ہے تو وہ اصلاً ہی ہوتی ہے، تبعاً کبھی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کی اجرت لینا تو مطلقاً ناجائز ہے اور تلاوت غیر مجردہ کی اجرت تبعاً واصلاً دونوں طرح سے ہوسکتی ہے، کیوں کہ تلاوت غیر مجردہ دوسری عبادت کے ضمن میں ہوتی ہے، پس تلاوت غیر مجردہ تابع ہے اور جس عبادت کے ضمن میں ہوتی ہے وہ متبوع ہے، لہٰذا اگر اجارہ متبوع کے لئے ہوا ہے تو اصلاً اجرت متبوع کے مقابل ہوتی ہے، اگر چہ تابع کی وجہ سے بعض اوقات اجرت میں کچھ اضافہ بھی کیا جاتا ہے، لیکن یہ اضافہ تبعاً ہے اور یہ جائز ہے، اور اگر صراحتاً ختم قرآن کی اجرت طے کر کے معاملہ کیا جائے تو اجرت اصلاً ختم قرآن کی ہوگی، اور تراویح میں ختم قرآن اگر چہ تلاوت غیر مجردہ ہے، مگر اصلاً اجرت اس کی بھی لینا جائز نہیں، گو تبعاً جائز ہے، اور اس صورت میں اجرت لینے کا عدم جواز ختم قرآن کے تلاوت مجردہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ مستثنیٰ امامت میں نماز جنازہ کی امامت داخل نہیں، کیوں کہ نماز جنازہ ایک دعا ہے، نہ اس میں رکوع ہے نہ سجدہ، نہ قومہ ہے نہ قعدہ، نیز نماز جنازہ پڑھانے کی ذمہ داری میت کے ولی کی ہے۔ **ولو استأجر رجلاً ليصلي على ولي قدمات لم يجز ذٰلک لأنه استأجره على أن يفعل ماعليه أن يفعل.** (رسائل ابن عابدین ج۱؍ص۱۵۶؍)

متأخرین فقہاء کے نزدیک بالفرض اگر مستثنیٰ امامت میں، امامت تراویح داخل نہ ہوتی تو ضرور ان کے کلام میں امامت تراویح کے لئے اجارہ کے عدم جواز کی صراحت ملتی، جیسا کہ متقدمین فقہاء کے کلام میں اس کی صراحت ملتی ہے، (کمامر) حالاں کہ متقدمین فقہاء کے یہاں اس کے عدم جواز کی اگر صراحت نہ بھی ملتی، تو کوئی حیرت کی بات نہیں تھی، کیوں کہ ان کے نزدیک مطلقاً امامت پر عدم جواز کا حکم تھا، لہٰذا خصوصیت کے ساتھ امامت تراویح پر اجارہ کے عدم جواز کی صراحت کی ضرورت نہیں تھی، البتہ متأخرین فقہاء کے کلام میں دو باتوں میں سے ایک بات کی صراحت ضروری تھی کہ مستثنیٰ امامت سے مراد صرف امامت مکتوبہ ہے یا امامت تراویح کے لئے اجارہ ناجائز ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ متقدمین کے یہاں مطلقاً

امامت یعنی امامت مکتوبہ اور امامت تراویح کے لئے اجارہ ناجائز تھا اور ان کے کلام میں امامت سے دونوں ہی مراد ہوتے تھے اور متأخرین نے مطلقاً امامت کا استثناء کیا ہے، تو اس سے بھی امامت مکتوبہ اور امامت تراویح دونوں ہی مراد ہوں گے جب تک کہ مذکورہ دو باتوں میں سے کسی ایک بات کی صراحت ان کے کلام میں نہ مل جائے، حالاں کہ متأخرین فقہاء کے کلام میں اس کی کہیں بھی صراحت موجود نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام فقہاء مطلق امامت کا استثناء کریں اور مراد صرف امامت مکتوبہ ہو، اور ایک فقیہ بھی اس کی وضاحت نہ کرے کہ یہاں امامت سے صرف امامت مکتوبہ مراد ہے، یا امامت تراویح کے لئے اجارہ ناجائز ہے۔

بعض حضرات امامت تراویح کے شعار ہونے کی نفی کرتے ہیں اور تائید میں حضرت مفتی ظفر احمد عثمانیؒ کا فتویٰ (امداد الاحکام ج۳/ص۵۵۹، کتاب الاجارہ) نقل کرتے ہیں، جس میں حضرت نے مراقی الفلاح اور صدر الشہید کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے چھوٹی سورتوں کے پڑھنے پر اکتفا کرنا جائز ہے، اس لئے جماعت تراویح شعائر اسلام میں سے نہیں، اور امامت مکتوبہ اور اذان واجب یا سنت مؤکدہ علی العین ہے، لہٰذا وہ شعائر میں سے ہے، لیکن حضرت نے جماعت تراویح کے شعار ہونے کی نفی پر کوئی صریح فقہی عبارت پیش نہیں فرمائی ہے اور مذکورہ باتوں سے اس کے شعار ہونے کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے فرائض میں بھی تین آیتوں پر اکتفا جائز ہے، محض اتنی بات سے امامت تراویح کے شعار ہونے کی نفی ثابت نہیں ہوتی ہے، اور کسی چیز کے شعار ہونے کے لئے واجب علی العین یا سنت مؤکدہ علی العین ہونا شرط ہے؛ یہ کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، اسی لئے تو حضرت تھانویؒ نے جماعت تراویح کے شعائر میں سے ہونے کو تسلیم کیا ہے اور فقہاء نے بھی صراحت فرمائی ہے کہ جماعت تراویح کے قیام سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے ان صراحتوں سے صرف نظر کرنا اور محض حضرت مفتی ظفر احمد عثمانیؒ کے فتویٰ کی بنیاد پر جماعت تراویح کے شعائر میں سے ہونے کی نفی کر دینا، فقہی اعتبار سے درست نہیں۔

باجماعت تراویح کو سنت مؤکدہ علی العین نہ کرکے، سنت مؤکدہ علی الکفایہ قرار دینے میں بڑی مصلحت تھی اور وہ یہ ہے کہ ہر حافظ کو تراویح میں قرآن پاک پڑھنے کا موقع ملے اور جو اہل عزیمت ہیں ان کو تراویح میں دو یا تین یا زیادہ بار ختم قرآن کا موقع ملے اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے تنہا تراویح پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: **وقيل الانفراد فيها أفضل، قالوا محله فيمن يحفظ القرآن ولا يخاف النوم والكسل ولا تختل جماعة المسجد بفقده.** (مرقات ج۳/ص۱۸۶)

اس عبارت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جماعت تراویح ضروریات دین اور شعائر میں سے ہے، ورنہ **لا تختل جماعة المسجد بفقده** کی شرط نہ لگائی جاتی۔

مذکورہ تفصیل سے جب یہ بات بلاشبہ ثابت ہوگئی کہ امامت تراویح کے لئے اجرت پر رکھنا جائز ہے، تو امامت مسنونہ (تراویح ختم قرآن کے ساتھ) اور غیر مسنونہ (تراویح بغیر ختم قرآن کے) دونوں کے لئے اجرت پر رکھنا جائز ہے، جس طرح امامت مکتوبہ میں معمولی تنخواہ دیکر ماتجوز بہ الصلاۃ سے نماز پڑھانے والے اور زیادہ تنخواہ دیکر نماز کے آداب وسنن اور قرأت مسنونہ کی رعایت کے ساتھ خوش الحانی سے نماز پڑھانے والے امام دونوں کو اجرت پر رکھنا جائز ہے، اور فقہاء نے تعلیم اور امامت دونوں پر ان کے وسیلہ ہونے کی حیثیت سے ہی اجرت لینے کی اجازت دی ہے، لہٰذا اجرت وسیلہ یعنی امامت کی ہوگی، نہ کہ نماز، تلاوت، قرأت مسنونہ اور ختم قرآن کی۔

بہت اہم وضاحت

اس کتاب میں اختیار کردہ موقف کے بارے میں

ہمارے اکابر کے فتاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت تراویح کے مسئلہ سے متعلق تمام تفصیلات پر ہمارے اکابر متفق نہیں، ان کے فتاویٰ میں اختلاف رائے نظر آتا ہے، مثلاً امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں فتاویٰ رحیمیہ (ج ۳/ص ۲۸۸) اور فتاویٰ دارالعلوم (ج ۱۵/ص ۳۰۸) میں ہے کہ امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں مطلقاً داخل نہیں، اس کا حاصل یہ نکلا کہ مفت تراویح پڑھانے والا ملے یا نہ ملے بہرصورت امامت تراویح کے لئے اجارہ ناجائز ہے، لیکن امداد الفتاویٰ کے کئی فتووں میں حضرت تھانویؒ نے تسلیم کیا ہے کہ امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل ہے، اور اس کی بنیاد پر ہی حضرت نے اجرت دینے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اگرچہ حضرت نے بعد میں اجرت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا، لیکن اجرت کے عدم جواز کا فتویٰ اس وجہ سے نہیں دیا تھا کہ امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل نہیں، بلکہ اس وجہ سے دیا تھا کہ فقہاء نے مستثنیٰ امامت پر اجرت کے جواز کا فتویٰ اس کے شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے ضرورتاً دیا ہے اور امامت تراویح الم ترکیف سے ہوسکتی ہے، اور مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے بھی مل جاتے ہیں، لہٰذا اجرت دیکر تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو امامت مکتوبہ کی طرح امامت تراویح کے لئے بھی اجرت طے کرکے رکھنا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ نے امامت تراویح کے مستثنیٰ امامت میں داخل ہونے کا تو مطلقاً انکار نہیں فرمایا ہے، اگر حضرت امامت تراویح کو مستثنیٰ امامت میں مطلقاً داخل نہ مانتے، تو مفت تراویح پڑھانے والا نہ ملنے کی صورت میں بھی اجرت دینے کی اجازت نہ دیتے، کیوں کہ مستثنیٰ طاعات کے علاوہ کسی طاعت پر اجرت لینے ودینے کے ناجائز ہونے پر متقدمین ومتأخرین فقہاء متفق ہیں، حاصل یہ کہ حضرت نے مفت تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں، اسی لئے ہی اجرت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، جب کہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

سوال: (۳۹) زید اجرت معین کرکے نماز پڑھاتا ہے اور لوگ بلا اجرت نماز پڑھانے والے موجود ہیں، زید کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: امامت بھی انہی امور میں سے ہے جس پر اجرت لینا جائز رکھا گیا ہے، کمافی الشامی، پس اس امام کے پیچھے جو امامت پر اجرت اور تنخواہ لیتا ہے نماز صحیح ہے اور کچھ کراہت اس میں نہیں۔ (ج ۱۵/ص ۲۷۴)

اس فتویٰ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ مستثنیٰ طاعات پر بہرصورت اجرت لینا ودینا جائز ہے، خواہ مفت انجام دینے والا ملے یا نہ ملے، حالاں کہ حضرت تھانویؒ نے مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو ہی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے عدم جواز کے فتویٰ پر حاشیہ لگا کر ایسی وضاحت فرمائی ہے، جو حضرت کی للّٰہیت، علمی دیانت داری، احساس ذمہ داری اور فتویٰ دینے میں مکمل حزم واحتیاط کا بیّن ثبوت ہے، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں ''مجیب کے نزدیک عمل کے لئے یہی مستحسن ہے، باقی فتویٰ سابق کا نقل کردینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمالیں اور جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیں، ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو'' (حاشیہ امداد الفتاویٰ ج ۱/ص ۴۸۴)

اس وضاحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ کو عدم جواز کے فتویٰ پر مکمل اطمینان اور شرح صدر نہیں تھا، اسی لئے اس پر عمل کو صرف مستحسن قرار دیا ہے، لازم نہیں، اور جواز کا فتویٰ امداد الفتاویٰ میں باقی رکھا ہے، تاکہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کے دلائل میں غور فرما کر جو راجح ہو

اسی کے مطابق فتویٰ دیں، اس لئے اہل علم کو حضرت کی تلقین اور منشأ کے مطابق اجرت تراویح کے جواز وعدم جواز کے مسئلہ میں فقہی عبارات کی روشنی میں ضرور غور کرنا چاہیئے اور جو راجح ہو اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیئے محض حضرت کے عدم جواز کے فتویٰ کو، جب تک فقہی عبارات سے اس کی تائید نہ ہو جائے، سند بنانے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے، یہ بات حضرت کے منشأ کے بھی خلاف ہے، اسی لئے حضرت نے خود عدم جواز کے حکم کو لازم اور حتمی طور پر فقہی عبارات سے ثابت بتانے سے احتیاط برتی ہے۔

مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا صریح فتویٰ موجود ہے کہ امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل ہے، اس لئے فقہی عبارات کی روشنی میں حضرت تھانویؒ کا جواز والا سابق فتویٰ ہی راجح معلوم ہوتا ہے، اور عصر حاضر کے بعض مشہور مفتیان کرام نے بھی الم ترکیف سے امامت تراویح پر مطلقاً اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مفت نہ ملنے کی شرط نہیں لگائی ہے۔

اگر حافظ کو اجرت طے کر کے نماز تراویح پڑھانے کے لئے بلایا گیا ہے، تو اس کے بارے میں بھی ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں اختلاف ہے، چنانچہ اکثر اکابر نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن ہمارے اکابر میں سے مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے اس صورت میں بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، اگر چہ نماز تراویح ختم قرآن کے ساتھ پڑھنا مقصود ہو، بشرطیکہ صراحتاً ختم قرآن کی اجرت طے کر کے معاملہ نہ کیا ہو، فتویٰ گزر چکا ہے، نیز جماعت تراویح شعائر میں سے ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں بھی ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں دونوں طرح کی باتیں موجود ہیں، حالاں کہ اس کے شعائر میں سے ہونے کی نفی کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، اور اس کا شعائر میں سے ہونا فقہی عبارات سے ثابت ہے، اور حضرت تھانویؒ نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے، اور مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے فتویٰ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے، اس لئے فقہی اعتبار سے یہی بات درست ہے، سابق میں اس کا شعائر میں سے ہونا مدلل واضح کیا جا چکا ہے۔

واضح رہے کہ امامت تراویح پر اجرت لینے کے جواز کو مفت نہ ملنے کی شرط کے ساتھ مشروط کر دینا یا صرف الم ترکیف سے امامت تراویح کے ساتھ خاص کر دینا، درست نہیں، کیوں کہ فقہاء نے امامت پر اجرت لینے کی اجازت بیت المال سے وظائف بند ہو جانے کی وجہ سے اس کے شعائر میں سے ہونے کی بنیاد پر دی ہے، اور شعائر کا تحفظ مفت امامت کرنے والوں پر موقوف نہیں رکھا جا سکتا ہے، اسی لئے فقہاء نے مطلقاً امامت پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، خواہ مفت امامت کرنے والا ملے یا نہ ملے، جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم (ج۱۵/ص۲۷۴) کے فتویٰ میں صراحت موجود ہے، نیز مستثنیٰ امامت جو ایک شعار ہے اس کے تحفظ کی دو صورتیں ہیں، ایک الم ترکیف سے امامت تراویح اور دوسری ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح، لیکن ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح کی صورت میں شعائر کا تحفظ احسن طریقہ سے ہوتا ہے اور الم ترکیف سے امامت تراویح کی صورت میں غیر احسن طریقہ سے ہوتا ہے، اور محظور یعنی طاعت پر اجرت لینا دینا دونوں صورتوں میں یکساں لازم آتا ہے، لہٰذا شعار کے تحفظ کے لئے امامت تراویح کی کسی ایک صورت کو لازم قرار دینا بلا وجہ اور بلا دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کسی ایک صورت کو لازم نہیں قرار دیا ہے، وأفتیٰ من بعدهم ایضاً من أمثالهم بصحته علی الاذان والامامة لأنهما من شعائر الدين فصححوا الاستيجار عليهما للضرورة ايضاً، فهٰذا مأافتیٰ به المتأخرون عن ابی حنیفةؒ وأصحابه لو کانوا فی عصرهم لقالوا بذٰلک ورجعوا عن قولهم الأول. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۴۷)

کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے جن چیزوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، وہ دو طرح کی ہیں۔ (۱) انفرادی ضرورت کی وجہ سے کسی چیز کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس صورت میں انفرادی طور پر ضرورت کے متحقق ہونے کی تحقیق ضروری ہے اور جس شخص کے حق

میں ضرورت متحقق ہو، صرف اسی کے لئے جواز کا حکم ہوگا۔ (۲) اجتماعی ضرورت کا تحقق فقہاء نے تسلیم کر لینے کے بعد جواز کا عمومی فتویٰ دے دیا ہے، اور ضرورت کی بنیاد کو فقہاء نے واضح فرما دیا ہے، مثلاً مستثنیٰ امامت کے بارے میں فقہاء نے ضرورت کی بنیاد صرف یہ بتائی ہے ہے کہ بیت المال سے وظائف کے بند ہو جانے کی وجہ سے شعائر کے ضیاع کا اندیشہ لاحق ہونا، اس صورت میں جب تک فقہاء کی بیان کردہ ضرورت کی بنیاد باقی رہے، تب تک ہمیں صرف فقہاء کا دیا ہوا جواز کا فتویٰ دیتے رہنا ہے، اور ضرورت کی بنیاد صرف دو چیزیں ہیں، ایک بیت المال سے وظائف کا بند ہو جانا اور دوسری امامت تراویح کا شعائر میں سے ہونا، ان دو چیزوں کے اجتماع سے ضیاع دین یعنی ضیاع شعائر کا خطرہ پیدا ہوا ہے، اور ضرورت کی بنیاد جب تک وظائف ملنے کا نظام بحال نہ ہو جائے، تب تک باقی رہے گی، کیوں کہ امامت تراویح کا شعائر میں سے ہونا تو ختم نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ یہی بات مندرجہ ذیل عبارت میں ارشاد فرماتے ہیں: **ولاشک لو انتظم بیت المال وعادت العطایا علیٰ حالها لایسع أحداً من المتأخرین أن یقول بالجواز أصلاً لعدم الضرورة.** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۳۱۵)

کسی مقلد کے لئے جائز نہیں کہ امامت تراویح کو، جس میں ضرورت کی بنیاد، امامت مکتوبہ کی طرح موجود ہونے کے باوجود فقہاء کی تصریح کے بغیر، مستثنیٰ طاعات سے نکال دے، یا اجرت کے جواز کو مفت نہ ملنے یا صرف الم ترکیف سے امامت تراویح کے ساتھ مقید کر دے، اگر یہ سب تفصیل صحیح ہوتی تو فقہائے کرام خود بیان فرما دیتے۔

مذکورہ تفصیل سے بخوبی معلوم ہوا کہ اجرت تراویح کے مسئلہ سے متعلق تفصیلات کے بارے میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں بھی اختلاف ہے، بلکہ کہیں کہیں تو ایک ہی فتویٰ کی کتاب میں دو متضاد فتوے بھی موجود ہیں، اس لئے ان اختلافی باتوں میں سے قابل فتویٰ وعمل صرف اس کو سمجھنا چاہئے جس کی فقہی عبارات سے تائید ہوتی ہے، بعض مفتیان کرام کو دیکھا کہ اردو فتاویٰ میں موجود بات کو درست قرار دینے کی کوشش میں فقہاء کی بیان کردہ صریح بات کو بھی ترک یا رد کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑی بات ہے۔

احقر نے اجرت تراویح کے بارے میں اس کتاب میں جو موقف اختیار کیا ہے اس کی مکمل تائید فقہی عبارات سے ہوتی ہے، جس کی وضاحت اس کتاب میں موجود ہے، نیز ہمارے اکابر میں سے مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے فتویٰ سے اور حضرت تھانویؒ کے جواز والے فتویٰ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اگر چہ کوئی مفتی ایک فتویٰ دینے کے بعد اس کے خلاف دوسرا فتویٰ دیتا ہے، تو اس کا پہلا فتویٰ کالعدم سمجھا جاتا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نے علمی دیانت داری کے پیش نظر عدم جواز والے فتویٰ پر حاشیہ لگا کر گویا تلقین فرمائی ہے کہ محض میرے دوسرے فتویٰ کی وجہ سے پہلے فتویٰ کو کالعدم نہ قرار دیا جائے، بلکہ دلائل میں غور فرما کر جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیا جائے، اس لئے احقر کا موقف بظاہر حضرت کے عدم جواز کے فتویٰ کے خلاف ہے، لیکن درحقیقت حضرت کے منشأ کے عین مطابق اور فقہی عبارات سے ثابت ہے۔

حاصل یہ کہ، یہ موقف اگر ہمارے تمام اکابر کے موقف کے مطابق نہیں، تو تمام اکابر کے موقف کے خلاف بھی نہیں ہے، جیسا کہ عموماً بتایا جاتا ہے، کفایت المفتی کا فتویٰ مکمل وضاحت کے ساتھ ''امامت سے مراد کیا ہے؟'' عنوان کے تحت گزر چکا ہے، یہ فتویٰ بلاشبہ فقہی عبارات کے عین مطابق ہے، اور یہ کتاب گویا اس فتویٰ کی ہی وضاحت اور تفصیل ہے۔

پتہ کی بات

یہ بات مسلّم ہے کہ فقہاء نے مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کی اجازت ضرورت کی وجہ سے دی ہے، اور یہاں ''ضرورت'' سے مراد صرف بیت

المال سے وظائف کا بند ہوجانا ہے، اور یہی درحقیقت اجرت کے نفس جواز کی علت ہے، اور مستثنیٰ طاعات کا ضروریات دین اور شعائر میں سے ہونا، اجرت کے نفس جواز کی علت نہیں، بلکہ یہ تو اس بات کی علت ہے کہ صرف ان طاعات پر اجرت لینے کی اجازت کیوں دی گئی؟ اور دوسری طاعات پر اجرت لینے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ اس کا اجرت کے نفس جواز سے کوئی تعلق نہیں، اسی لئے فقہاء نے جس دن بیت المال سے وظائف بند ہوگئے، اسی وقت سے مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کی اجازت دے دی ہے، اور یہ بھی صراحت فرمادی ہے کہ آئندہ جب وظائف جاری ہوجائیں گے تو اجرت لینے کی ضرورت ختم ہوجائے گی اور اجرت لینا ناجائز ہوجائے گا، **ولاشک أنه لو انتظم بیت المال وعادت العطایا علی حالها لایسع أحداً من المتأخرین أن یقول بالجواز أصلاً لعدم الضرورة.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۳۱۵) اس سے صراحتاً ثابت ہوا کہ اجرت لینے کے جواز کی علت اور ضرورت سے مراد صرف بیت المال سے وظائف کا بند ہوجانا ہے، اسی لئے محض وظائف کے جاری ہونے پر فقہاء نے اجرت لینے کی ضرورت کی نفی فرمادی ہے۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''ضرورت'' کے لفظ سے قائلین عدم جواز کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے اس ضرورت سے اصطلاحی ضرورت یا ضرورت بمعنیٰ اضطرار لیا ہے، اور اس کی بنیاد پر بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت جواز کی قید لگادی ہے، اور اس قید کی بنا پر بعض حضرات نے امامت تراویح کو مستثنیٰ امامت سے خارج قرار دیا ہے اور بعض نے مفت تراویح پڑھانے والا نہ ملنے کی صورت میں صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھانے کے لئے اجرت پر رکھنے کی اجازت دی ہے، اور بعض نے الم ترکیف سے تو مطلقاً اجرت لینے کی اجازت دی ہے اور ختم قرآن کے ساتھ تراویح پر اجرت لینے کی اجازت نہیں دی ہے، حالاں کہ یہاں ضرورت سے ضرورت عامہ مراد ہے، اس صورت میں فقہاء خود ضرورت عامہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہی جواز کا عمومی فتویٰ دے دیتے ہیں اور ضرورت کی بنیاد کو خود واضح فرمادیتے ہیں اور جب تک ضرورت کی بنیاد باقی رہے تب تک عمومی جواز کا فتویٰ باقی رہتا ہے، اور اس صورت میں بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے، صرف ضرورت کی بنیاد کا وجود، جواز کے لئے کافی ہوتا ہے، چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم (ج۱۵/ص۲۷۴) پر فتویٰ موجود ہے کہ مفت فرض نماز پڑھانے والے لوگ موجود ہوں تو بھی امامت مکتوبہ پر اجرت لینا و دینا جائز ہے، کیوں کہ ضرورت کی بنیاد یعنی صرف بیت المال سے وظائف کا بند ہوجانا، موجود ہونے کی وجہ سے فتویٰ عمومی جواز کا ہے، اور اسی بات کے پیش نظر نہ رہنے کی وجہ سے قائلین عدم جواز، اجرت تراویح کے عدم جواز کے قائل ہوئے ہیں، اور ان کے پاس اجرت تراویح کے عدم جواز کو ثابت کرنے کے لئے لفظ ''ضرورت'' کے علاوہ کوئی قابل ذکر دلیل اور تسلی بخش فقہی عبارت موجود نہیں، اور عدم جواز کو ثابت کرنے کے لئے ان کی طرف سے جتنی بھی باتیں پیش کی گئی ہیں، وہ سب باتیں اسی لفظ ''ضرورت'' سے انہوں نے مستنبط فرمائی ہیں، حالاں کہ یہ باتیں ضرورت کے مفہوم میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان باتوں کی تائید کسی فقہی عبارت سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ بعض حضرات نے تو لفظ ''ضرورت'' کی بنیاد پر امامت تراویح کے شعائر میں سے ہونے کی بھی نفی فرمادی ہے، جب کہ فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ جماعت مکتوبہ کی طرح جماعت تراویح کے قیام سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، اگر جماعت تراویح خود شعائر میں سے نہ ہوتی تو اس کے قیام سے شعائر اسلام کا اظہار کیوں کر ہوتا؟ اور مستثنیٰ طاعات میں ضرورت کی بنیاد صرف بیت المال سے وظائف کا بند ہوجانا ہے، اور امامت تراویح چوں کہ شعائر میں سے ہے، اور اس میں بھی ضرورت کی بنیاد امامت مکتوبہ کی طرح بعینہٖ موجود ہے، اور شعار نفس امامت ہے، اس لئے اجرت لینے کا جواز نفس امامت کے لئے ثابت ہوا ہے، خواہ امامت الم ترکیف سے ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے امامت پر مطلقاً اجرت کے جواز کا عمومی فتویٰ دے دیا ہے، اور کسی قسم کی وضاحت نہیں فرمائی ہے۔

کیا مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینا اصلاً ناجائز ہے؟

اجرت تراویح کے حرام ہونے کے بارے میں عموماً بطور دلیل یہ بات کہی جاتی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا اصلاً ناجائز ہے، اور چوں کہ مفت تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں، اس لئے امامت تراویح کے لئے اجارہ کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے، اجارہ اصل کے اعتبار سے ناجائز ہے۔

واضح رہے کہ طاعات پر اجرت کے عدم جواز کی اصل، وہ آیات واحادیث ہیں جن میں قرآن پڑھ کر یا تعلیم دیکر اجرت لینے کی ممانعت اور اس پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اور متقدمین کے نزدیک تمام عبادات پر، خواہ عبادات مقصودہ ہوں یا غیر مقصودہ (وسیلہ ہوں جیسے تعلیم اور امامت وغیرہ) اجرت لینا ودینا ناجائز تھا، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قرآن وحدیث کو ہم سے زیادہ فقہائے کرام سمجھنے والے تھے، اس لئے ان کی مندرجہ ذیل صراحت ووضاحت پیش نظر رکھ کر ہی طاعات پر اجارہ کے عدم جواز کی صحیح حیثیت ونوعیت معلوم ہوسکتی ہے، چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں: قالوا: وانما کرہ تعلیم القرآن بالأجر فی الصدر الأول، لأن حملة القرآن کانوا قلیلاً وکانت التعلیم واجباً، حتّٰی لایذهب القرآن، وفی زماننا کثر حملة القرآن فلم یکن التعلیم واجباً فجاز الاستیجار علیه. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج/۱۵ص/۱۲۶)

وابوسعید الاصطخریؒ من أصحابنا ذهب الیٰ جواز الأخذ فیه علیٰ مالایتعین فرضه علیٰ معلمه، ومنعه فیما یتعین علیه تعلیمه، وحمل علیٰ ذٰلک اختلاف الآثار. (نصب الرایة للزیلعیؒ ج/۴ ص/۱۳۷)

قال محمد بن الفضل کره المتقدمون الاستیجار علی تعلیم القرآن وأخذ الأجرة علیه لوجود العطیة من بیت المال مع الرغبة فی امور الدین وفی زماننا انقطعت ویعنی بالرغبة التعلیم والاحسان الی المعلمین بلا أجرة (رسائل ابن عابدین ج/۱ص/۱۵۸)

مذکورہ عبارات میں صراحت موجود ہے کہ متقدمین کے زمانہ میں عبادات غیر مقصودہ یعنی وسیلہ جیسے تعلیم اور امامت وغیرہ، ان پر اجرت لینا دو وجہوں سے ناجائز تھا۔

(۱) صدر اول میں حاملین قرآن کم تھے، جس کی وجہ سے حاملین قرآن پر تعلیم دینا واجب تھا، اور واجب کام پر اجرت لینا جائز نہیں، لیکن اب حاملین قرآن زیادہ ہوگئے، جس کی وجہ سے تعلیم دینا واجب نہیں رہا، لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز ہوگیا۔

(۲) متقدمین تعلیم قرآن پر اجرت لینا اس لئے مکروہ سمجھتے تھے کہ خدام دین کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور ساتھ ساتھ دینی کام حسبۃً للہ انجام کا عمومی جذبہ بھی تھا، اور لوگ بھی مجازاۃ الاحسان بالاحسان کے عمدہ وصف سے متصف تھے، لیکن اب یہ سب ختم ہوگیا، جس کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے اجرت لینے کی اجازت دے دی، اور یہی وجہ اکثر کتب فقہ، البحر الرائق، مجمع الانہر، المحیط البرہانی، قاضی خان، تبیین الحقائق، فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ اور فتاویٰ التاتارخانیہ وغیرہ میں بیان کی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عبادات مقصودہ جیسے نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ پر تو اجرت لینا قرآن وحدیث کی رو سے اصلاً ناجائز ہے، اور ان پر اجرت دینے ولینے کی دین میں کوئی ضرورت بھی نہیں، اس لئے ان کے لئے اجارہ متقدمین ومتأخرین فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، اور عام طور پر جو مشہور ہے کہ ''طاعات پر اصلاً اجارہ ناجائز ہے'' اس سے یہی مراد ہے۔

اور عبادات غیر مقصودہ یعنی جو عبادات، عبادات مقصودہ کے لئے وسیلہ ہیں جیسے تعلیم اور امامت وغیرہ، ان پر اجارہ قرآن وحدیث کی رو سے اصلاً ناجائز نہیں، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، ورنہ اس میں اور مذکورہ فقہی عبارات میں صریح تعارض پیدا ہوگا اور روایات میں بھی، بلکہ عارض کی وجہ سے ان پر

اجارہ ناجائز تھا، جیسا کہ مذکورہ فقہی عبارات میں فقہاء نے صراحت فرمائی ہے، اسی لئے متأخرین فقہاء نے عارض کے ختم ہوتے ہی مستثنیٰ طاعات یعنی تعلیم، اذان وامامت وغیرہ پر، جو عبادات غیر مقصودہ اور وسیلہ ہیں، مطلقاً بلا کسی شرط کے وظائف جاری ہونے تک اجارہ کی اجازت دے دی ہے، لہٰذا اجرت تراویح کی حرمت کے بارے میں بطور دلیل یہ بات پیش کرنا درست نہیں کہ طاعات پر اجارہ اصلاً ناجائز ہے اور مفت تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں، اس لئے امامت تراویح کے لئے اجارہ اصل کے اعتبار سے ناجائز ہے، بلکہ تعلیم اور امامت وغیرہ پر اجارہ عارض کی وجہ سے ناجائز تھا۔

اور عارض کی وضاحت یہ ہے کہ تعلیم قرآن یعنی مستثنیٰ طاعات جو کہ عبادات غیر مقصودہ اور وسیلہ ہیں، ان پر اجرت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں روایات دونوں طرح کی ہیں، بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز، اور جواز والی روایات قوت میں عدم جواز والی روایات سے کم نہیں، چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: تعلیم قرآن پر اجرت کے جائز ہونے کی جو منصوص دلیلیں اور نظیریں ہیں وہ بھی بہت قوی ہیں، اس کے برخلاف روایات تعلیم قرآن پر اجرت کے نادرست ہونے کو بتلاتی ہیں، وہ عموماً مبہم اور اس مقصد میں واضح نہیں۔ (قاموس الفقہ ج ۱/ص ۴۹۵)

اور مستثنیٰ طاعات میں حیثیتیں بھی دو ہیں، ایک عبادات مقصودہ کے لئے وسیلہ ہونے کی حیثیت، اور یہ ان کی حیثیت اوّلی ہے، اور دوسری ان کے طاعت ہونے کی حیثیت، اور یہ ان کی حیثیت ثانوی ہے، اسی لئے وہ عبادات غیر مقصودہ ہیں، ان کی حیثیت اوّلی کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر اجرت لینا جائز ہو اور حیثیت ثانوی کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت لینا ناجائز ہو، ظاہر ہے کہ اعتبار حیثیت اوّلی کا ہوتا ہے، لیکن متقدمین فقہاء کے زمانہ میں خدام دین کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور لوگ بھی ان کا خیال رکھتے تھے، جس کی وجہ سے ان کو اجرت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، محض اسی وجہ سے متقدمین فقہائے حنفیہ نے مختلف روایات میں سے عدم جواز والی روایات کو اور مختلف حیثیتوں میں سے طاعت کی حیثیت کو احتیاطاً ترجیح دی تھی، اور ان پر اجارہ کو باطل قرار دیا تھا، اور یہ متقدمین کا اصل مذہب ہے، اس حقیقت کو فقہاء نے مندرجہ ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے: **کره المتقدمون الاستيجار على تعليم القرآن وأخذ الأجرة عليه لوجود العطية من بيت المال مع الرغبة فى امور الدين وفى زماننا انقطعت ويعنى بالرغبة التعليم والاحسان الى المعلمين بلا أجرة** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۵۸)

اگر متقدمین کے زمانہ میں خدام دین کو وظائف نہ ملتے، تو وہ بھی جواز والی روایات اور وسیلہ ہونے کی حیثیت ہی کا اعتبار کر کے اجرت کے جواز کے قائل ہوتے، جیسا کہ متأخرین فقہاء قائل ہوئے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: **والمتأخرون ألحقوا الثانى (أى مايكون وسيلة وآلة للنوع الأول كالتعليم والامامة ونحوهما) بعمل الدنيا فى جواز أخذ الأجرة للضرورة من حيث كونها وسيلة.** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۷۸)

حاصل یہ کہ مستثنیٰ طاعات جو وسیلہ ہیں اگر ان پر اجرت کا صرف عدم جواز ہی قرآن وحدیث سے اصلاً ثابت ہوتا، تو متأخرین فقہاء جواز کا عمومی فتویٰ نہ دیتے، کیوں کہ جو چیز قرآن وحدیث کی رو سے حرام ہو تو اس کے ارتکاب کی اجازت صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے، اس کی عام اجازت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جن مساجد میں تبرعاً اذان وامامت انجام دینے والے نمازی موجود ہوں، ان مساجد میں اذان وامامت کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا ناجائز ہوگا، اسی طرح مؤذن وامام کے لئے بوقت ضرورت اجرت لینے کی اجازت ہوگی اور وہ بھی بقدر ضرورت ہی، اگر چھ ہزار سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو اس سے زیادہ ایک روپیہ بھی لینا ناجائز ہوگا، نیز مستثنیٰ طاعات پر اجرت کا جواز صرف حقیقی ضرورت متحقق ہونے کے

وقت ہی ہوگا، کیوں کہ حرام کے ارتکاب کی اجازت صرف حقیقی ضرورت کے متحقق ہونے کے وقت ہی ہوتی ہے، حالاں کہ فقہاء اجرت کے جواز کے قائل محض ضروریات دین اور شعائر کے ضیاع کے اندیشہ اور خوف کی وجہ سے ہوئے ہیں، جس کی کتب فقہ میں صراحت موجود ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اجرت کا جواز محض ضرورت کی وجہ سے ہے، اور یہاں ضرورت سے مراد صرف بیت المال سے وظائف کا بند ہوجانا ہے، اور اسی سے ضروریات دین وشعائر کے ضیاع کا اندیشہ پیدا ہوا ہے، اور متأخرین فقہاء نے محض اسی ضرورت کی بنیاد پر مستثنیٰ طاعات پر اجرت کے جواز کا بلا کسی شرط کے فتویٰ دیا ہے، لہٰذا یہاں ضرورت سے ضرورت اصطلاحی مراد نہیں۔

فیصلہ کن بات

فقد علمت ان تجويز الاجارة للضرورة وما لاضرورة فيه لاتجوز الاجارة اصلاً كالصلوٰة والصوم وقراءة القرآن .

(رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۷۸)

وصرحوا بأن المتأخرين اختاروا ذٰلک استحساناً فقد أبقوا ما عدا المستثنیٰ مما ليس فيه ضرورة داخلاً تحت المنع الذى هو أصل المذهب. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۳)

والمتأخرون انما أجازوه ماأجازوه للضرورة كما صرحوا به والضرورة تتقدر بقدرها ولاضرورة للاستيجار على مجرد التلاوة فلايجوز. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۹۰)

(و) لالأجل الطاعات مثل (الاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه ويفتىٰ اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان) (الدرمع الرد ج۹/ص۶۵)

ألاترىٰ لوانتظم بيت المال ووصل المعلمون الىٰ حقوقهم يرجع المتأخرون الىٰ أصل المذهب لعدم العلة التى اقتضت مخالفتهم له وهى الضرورة ويصير بطلان الاستيجار علىٰ جميع الطاعات متفقاً عليه بين أهل المذهب جميعاً. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۹۰)

مذکورہ عبارات میں فقہاء نے بالکل واضح اور فیصلہ کن بات کہہ دی ہے کہ متقدمین کے زمانے میں عدم ضرورت کی وجہ سے کسی بھی طاعت پر مطلقاً اجرت لینا ناجائز تھا اور متأخرین فقہاء نے ضرورت عامہ کی وجہ سے مستثنیٰ طاعات یعنی تعلیم، اذان اور امامت پر مطلقاً اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور یہ جواز کا فتویٰ بیت المال اور خدام دین کو وظائف ملنے کا نظام بحال نہ ہوجائے تب تک ہے، اور مستثنیٰ طاعات کے علاوہ کسی طاعت پر اجرت لینے دینے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان پر اجرت لینا دینا مطلقاً بلا تفصیل کے ناجائز ہے، متأخرین فقہاء نہ تو مستثنیٰ طاعات میں تفصیل کے قائل ہیں اور نہ ہی غیر مستثنیٰ طاعات میں تفصیل کے قائل ہیں، لہٰذا اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ امامت تراویح مستثنیٰ طاعات میں سے ہے یا غیر مستثنیٰ طاعات میں سے ہے، یہاں تیسری صورت درست ہی نہیں یعنی امامت تراویح نہ تو مستثنیٰ طاعات میں سے ہو اور نہ ہی غیر مستثنیٰ طاعات میں سے ہو، یا امامت تراویح بعض صورتوں میں مستثنیٰ طاعات میں سے ہو، اور بعض صورتوں میں غیر مستثنیٰ طاعات میں سے ہو، کیوں کہ متأخرین فقہاء نے مستثنیٰ طاعات کے لئے اجارہ کی ضرورت کو مطلقاً بلا تفصیل کے تسلیم کرلیا ہے، اور غیر مستثنیٰ طاعات کے لئے اجارہ کی ضرورت کا مطلقاً بلا تفصیل کے انکار کردیا ہے، اس لئے یہ تیسری صورت فقہاء کی تصریحات اور ان کے مطلقاً بلا تفصیل استثناء کے خلاف ہونے کی وجہ سے نادرست اور بلا دلیل ہے، اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ عدم ضرورت کو بنیاد بنا کر مستثنیٰ طاعات میں سے کسی طاعت کے لئے مطلقاً یا بعض صورتوں میں اجرت لینے کا عدم جواز ثابت

کرے، اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ضرورت کو بنیاد بنا کر غیر مستثنیٰ طاعات میں سے کسی طاعت کے لئے مطلقاً یا بعض صورتوں میں اجرت لینے کا جواز ثابت کرے، اور قائلین عدم جواز میں سے اکثر اس تیسری صورت کے قائل ہیں، جس کا نادرست ہونا بالکل واضح ہے۔

بالفرض اگر امامت تراویح مستثنیٰ طاعات میں سے نہ ہو، بلکہ غیر مستثنیٰ طاعات میں سے ہو، تو امامت تراویح پر مطلقاً اجرت لینا ناجائز ہو جائے گا خواہ مفت تراویح پڑھانے والا ملے یا نہ ملے، خواہ امامت تراویح الم ترکیف کے ساتھ ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، کیوں کہ متقدمین ومتأخرین فقہاء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ غیر مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے دینے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان پر مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینا دینا ناجائز ہے، حالاں کہ امامت تراویح کے مستثنیٰ طاعات میں عدم دخول کی بات بلاشبہ درست ہی نہیں، جس کو سابق میں واضح کیا جا چکا ہے، پس امامت تراویح کے مستثنیٰ طاعات میں مطلقاً بلاتفصیل کے داخل ہونے کی بات ہی درست اور فقہاء کی مراد ہے، نفس جماعت تراویح شعائر دین میں سے ہے، خواہ الم ترکیف کے ساتھ ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، اس پر اجرت لینا دینا فقہاء کی تصریحات کے مطابق جائز ہے۔

فقہی عبارات سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کے جواز کی دراصل علت صرف بیت المال سے وظائف بند ہو جانے اور مجازاۃ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے دینی خدمات مفت انجام دینے کی رغبت کم یا ختم ہو جانا ہے، **کرہ المتقدمون الاستیجار علی تعلیم القرآن وأخذ الأجرۃ علیہ لوجود العطیۃ من بیت المال مع الرغبۃ فی امور الدین وفی زماننا انقطعت ویعنی بالرغبۃ التعلیم والاحسان الی المعلمین بلااجرۃ.** (رسائل ابن عابدین ج۱ص۱۵۸) اور مستثنیٰ طاعات کا ضروریات دین میں سے ہونا درحقیقت اجرت لینے کے جواز کی علت نہیں، بلکہ وہ تو اجرت کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں مستثنیٰ طاعات اور غیر مستثنیٰ طاعات کے درمیان وجہ فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ مستثنیٰ طاعات کے ضروریات دین میں سے ہونے کے باوجود متقدمین کے زمانے میں اصل علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے، ان پر اجرت لینا ناجائز تھا، اور اصل علت جس طرح تعلیم، اذان اور امامت مکتوبہ میں موجود ہے، اسی طرح امامت تراویح میں بھی موجود ہے، اور جس طرح نفس جماعت مکتوبہ شعائر دین میں سے ہے خواہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ کے ساتھ ہو یا قرأت مسنونہ اور نماز کے آداب وسنن کی رعایت کے ساتھ ہو، اسی طرح نفس جماعت تراویح بھی شعائر دین میں سے ہے، خواہ الم ترکیف کے ساتھ ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، امامت تراویح میں اجرت لینے کے جواز کو مفت نہ ملنے کی شرط یا صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھانے کے ساتھ ہی مقید کر دینا، فقہاء کے مطلقاً استثناء کے خلاف اور بلادلیل ہے، جب اجرت لینے کے جواز کی اصل علت یکساں طور پر تعلیم، اذان، امامت مکتوبہ اور امامت تراویح میں موجود ہے، تو صرف امامت تراویح پر ہی اجرت لینے کے جواز کے لئے کوئی شرط لگانا بلاوجہ ہے، بلکہ یہ شرط علت کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے، اسی لئے خود فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی ہے۔

دراصل اصطلاح میں ''ضرورت'' اس درجہ کی مجبوری کا نام ہے کہ اگر ممنوع چیز استعمال نہ کی جائے تو اس مجبور شخص کی ہلاکت واقع ہو جائے یا وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جائے، اور ''حاجت'' اس کے بعد کا درجہ ہے جس میں ہلاکت کا خطرہ تو نہیں ہوتا، البتہ شدید مشقت اور دشواری کا سامنا ہوتا ہے، لیکن حاجت بھی کبھی کبھی ضرورت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں: **الحاجۃ اذا عمت کانت کالضرورۃ** (الأشباہ للسیوطی ص۹۷) حاجت کو ضرورت کا درجہ اجتماعی حاجات میں دیا جانا کتب فقہ میں منقول ہے، اور جب کوئی اجتماعی حاجت ضرورت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تو وہ شخصی طور پر بھی حاجت نہیں، ضرورت قرار دی جائے گی، غالباً یہی مفہوم ہے امام الحرمین جوینیؒ کی حسب ذیل عبارت کا: **الحاجۃ فی حق آحاد الناس کافۃً تنزیل منزلۃ الضرورۃ فی حق الواحد المضطر.** (بحوالہ القواعد الفقہیۃ ص۱۰۹، الدکتور احمد علی الندوی) فقہاء نے مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کی اجازت جس ضرورت کی وجہ سے دی ہے، اس ضرورت سے ضرورت بمعنیٰ اضطرار یا اصطلاحی ضرورت مراد نہیں، بلکہ حاجت بمنزلہ

ضرورت اور حاجت عامہ مراد ہے، **وعلل الشراح ذلک بالضرورة وحاجة المسلمین.** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۸۳) اور حاجت عامہ پر مبنی اکثر احکام نص کے مخالف نہیں ہوتے ہیں، بلکہ شریعت کے عمومی قواعد اور قیاس کے خلاف ہوتے ہیں، ان سے محتاج اور غیر محتاج سب استفادہ کر سکتے ہیں۔ (نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ ص ۲۷۴، ۲۷۵، المدخل الی الفقہ الاسلامی ج ۲/ص ۹۹) یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے حاجت عامہ کی وجہ سے مستثنیٰ طاعات پر استحساناً اجرت لینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ شرح المجلہ سلیم رستم باز میں مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کا جواز ''**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً**'' قاعدہ کے تحت ذکر کیا ہے، **ومنه تجويز الاستيجار على الطاعات كالامامة والاذان وتعليم القرآن والفقه، لأن الاستيجار على الطاعات باطل قياساً فجوزوه للحاجة استحساناً (درمختار)** (شرح المجلہ المادۃ: ۳۲، ص ۳۳)

بالفرض اگر مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کی اجازت جس ضرورت کی وجہ سے دی گئی ہے، اس سے ضرورت بمعنیٰ اضطرار یا اصطلاحی ضرورت مراد ہو، تو یہ اجازت صرف بوقت ضرورت اور مقدار ضرورت کے ساتھ مقید ہو جائے گی، اور مندرجہ ذیل صورتوں میں اجرت لینا ناجائز ہو جائے گا (۱) اگر کسی شخص کی مالی حالت اچھی ہے، اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے تنخواہ کی ضرورت نہیں، تو اس کے لئے تعلیم، اذان اور امامت پر اجرت لینا ناجائز ہوگا (۲) کسی مدرس یا مؤذن یا امام کی ضروریات کی تکمیل مثلاً آٹھ ہزار روپیوں میں ہو جاتی ہے، تو اس کے لئے آٹھ ہزار سے زائد تنخواہ لینا ناجائز ہوگا (۳) کسی مدرس کی تنخواہ دس ہزار روپئے ہے، جو فراخی کے ساتھ اس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی ہے، تو اس کے لئے تدریس کے ساتھ کسی مسجد میں اذان دیکر یا امامت کر کے تنخواہ لینا ناجائز ہوگا (۴) فرض نماز ماتجوز بہ الصلوٰۃ کے ساتھ پڑھانے والے عموماً پانچ یا چھ ہزار معمولی تنخواہ پر مل جاتے ہیں، لہٰذا دس یا بارہ ہزار تنخواہ دیکر متقی، خوش الحان، نماز کے آداب وسنن کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھانے والے امام کو رکھنا ناجائز ہوگا، نماز ان امور کے بغیر بھی ادا ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ بلاضرورت ہے (۵) جس کے پاس اپنی ضروریات سے فاضل روپئے موجود ہیں، تو جب تک یہ روپئے موجود ہوں، اس کے لئے کسی بھی طاعت پر اجرت لینا ناجائز ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے خدام دین کو چند طاعات پر اجرت لینے کی اجازت ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے دی ہے اور مذکورہ صورتوں میں ضرورت پوری ہو چکی ہے۔ **فلو اشتغلوا بالتعليم بلاأجرٍ مع الحاجة الى المعاش لضاعوا وتعطلت المصالح فقلنا بما قالوا،** (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۵۸)

یہ چند صورتیں بطور مثال کے لکھی گئی ہیں، ورنہ ایسی تو بہت ساری صورتیں ہیں، حالاں کہ ان صورتوں میں کوئی بھی اجرت لینے کے عدم جواز کا قائل نہیں، بلکہ تمام حضرات تعلیم، اذان اور امامت مکتوبہ میں حاجت عامہ کی وجہ سے مطلقاً بلاتفصیل کے جواز کے قائل ہیں، تو پھر صرف امامت تراویح میں ہی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کی قید کس دلیل کی بنیاد پر لگائی جا رہی ہے؟ جب کہ کسی فقیہ سے خصوصیت کے ساتھ امامت تراویح کے بارے میں یہ قید منقول نہیں، اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہاں جواز عمومی حالات اور حاجت عامہ کی وجہ سے ہے، اور یہ چیزیں مطلقاً جواز کی مقتضی ہیں، اور ایسی صورت میں انفرادی اور شخصی ضرورت کے ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی امام یا کسی مؤذن کا ذریعہ معاش مسجد کے بغل میں ہے، تو بھی وہ امامت یا اذان پر اجرت لے سکتا ہے، حالاں کہ اس خاص شخص کے حق میں اذان وامامت کسب معاش سے مانع نہیں، لیکن چوں کہ عمومی حالات میں یہ دونوں کسب معاش سے مانع ہوتے ہیں، اور جواز کا حکم عمومی حالات کی بنیاد پر دیا گیا ہے، نہ کہ خصوصی حالات کے اعتبار سے۔

اذان وامامت مکتوبہ جس طرح عمومی حالات میں کسب معاش سے مانع ہوتے ہیں، اسی طرح امامت تراویح بھی کسب معاش سے مانع ہے، کیوں کہ اکثر ائمہ کی طرح اکثر حفاظ اور تراویح پڑھانے والے باہر کے ہوتے ہیں، اور ایسے مقامات پر تراویح پڑھاتے ہیں جہاں ان کا ذریعہ معاش نہیں ہوتا ہے، اور وہاں تقریباً پورا مہینہ رہ کر تراویح پڑھاتے ہیں، اگرچہ امامت تراویح کا کسب معاش سے مانع ہونا، اذان وامامت مکتوبہ کے درجے

کا مانع نہیں ہے، جس طرح اذان وامامت مکتوبہ کا کسب معاش سے مانع ہونا تعلیم کے درجے کا مانع نہیں ہے، لیکن نفس مانع کسب ہونے میں سب مشترک ہیں۔

ایک مشہور شبہ کا جواب

اکثر کو یہ شبہ پیش آتا ہے کہ مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں، لہٰذا اجرت پر تراویح پڑھانے کے لئے رکھنا بلاضرورت ہے، **اس شبہ کا جواب** یہ ہے کہ حیرت کی بات ہے کہ جب مفت اذان دینے والے نہیں ملتے اور مفت فرض نماز پڑھانے والے نہیں ملتے، تو مفت تراویح پڑھانے والے کہاں سے مل جاتے ہیں؟ جو امام مفت اذان نہیں دیتا ہے اور مفت فرض نماز نہیں پڑھاتا ہے، وہی امام مفت تراویح کی بیس رکعات کیسے پڑھادیتا ہے؟ درحقیقت اس میں راز یہ ہے کہ اذان وامامت مکتوبہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ہے، اسی لئے مفت اذان دینے والے اور مفت فرض نماز پڑھانے والے نہیں ملتے، اور امامت تراویح پر اجرت کو حرام کہا گیا ہے جس کی وجہ سے اس پر اجرت لینے دینے کو حرام سمجھا جاتا ہے، اسی لئے لوگ ان سے مفت تراویح پڑھواتے ہیں اور وہ بھی ثواب کا کام سمجھ کر مفت پڑھاتے ہیں، اگر امامت تراویح پر اجرت لینے کو جائز کہا جائے تو وہ جیسے تنخواہ لیکر مگر ثواب کی نیت سے فرض نماز پڑھاتے ہیں، اسی طرح وہ ثواب کی نیت سے مگر تنخواہ لیکر ہی تراویح پڑھاتے، مفت تراویح نہ پڑھاتے۔

ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ اذان دینے کی صلاحیت تقریباً اکثر مسلمانوں میں ہوتی ہے، اس کے باوجود مفت اذان دینے والے نہیں ملتے اور تراویح پڑھانے کی صلاحیت رکھنے والے اس کے مقابلہ میں کئی گنا کم ہیں، پھر بھی ہر مسجد میں مفت تراویح پڑھانے والا مل جاتا ہے، اگر ہر جگہ مفت تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں، تو یقیناً مفت اذان دینے والے تو بدرجہ اَولیٰ مل جانے چاہئے، لہٰذا اذان کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا بدرجہ اَولیٰ ناجائز ہونا چاہئے، کیوں کہ اذان دینے کی صلاحیت تو ہر شہر اور ہر بستی کے اکثر لوگوں میں موجود ہوتی ہے، پورے شہر اور پوری بستی والے مل کر اذان کی مختصر دینی خدمت آسانی سے تبرعاً انجام دے سکتے ہیں، کسی کو اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ تراویح پڑھانے کی خدمت تبرعاً انجام دینا نہ ان کے لئے اتنا آسان ہے، اور نہ ہی بہت سوں میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے، اس کے باوجود وہ مفت تراویح پڑھانے والے کا انتظام کر لیتے ہیں، تو اذان دینے والا کا انتظام کرنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اذان کے ساتھ مسجد کی صفائی وغیرہ لوازم بھی ہوتے ہیں، اس لئے تبرعاً اذان دینے والے بآسانی نہیں مل سکتے، **تو اس کا جواب** یہ ہے کہ مسجد کی صفائی وغیرہ دیگر کاموں کے لئے تنخواہ پر خادم رکھا جائے، اس میں کوئی ممانعت وقباحت نہیں، البتہ اذان دینا طاعت ہے، اس پر اجرت لینا دینا بلاضرورت جائز نہیں، نیز فقہاء کے زمانے میں مساجد اکثر سادہ اور کچی ہوتی تھیں، اس وقت آج کی طرح مسجد کی صفائی وستھرائی کا مسئلہ تھا ہی نہیں، بلکہ وضوخانے اور استنجا خانے کا بھی انتظام نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود فقہاء نے اپنے زمانے میں اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، حالاں کہ فقہاء کا زمانہ ہمارے زمانے کے مقابلہ میں علم، دین، تقویٰ، للّٰہیت اور تبرعاً دینی خدمات انجام دینے کا جذبہ، ہر اعتبار سے بدرجہا بہتر تھا، اس زمانے میں تقریباً تمام مسلمانوں میں اذان دینے کی صلاحیت موجود ہوتی تھی، اس کے باوجود فقہاء نے لکھا ہے کہ اذان وامامت کو تبرعاً انجام دینے والے باقی نہیں رہے اور آج کے زمانے میں جبکہ اکثر مسلمانوں میں تراویح پڑھانے کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی ہے، پھر بھی مفت تراویح پڑھانے والے کیوں کر مل جاتے ہیں؟ کیا تبرعاً دینی خدمات انجام دینے کا جذبہ ہمارے زمانے کے لوگوں میں فقہاء کے زمانے کے لوگوں سے بڑھ گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ دراصل بات اور حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ **ثم أفتى المشائخ بجواز أخذ**

الأجرة على الاذان والاقامة وتعليم الفقه والعلوم الشرعية لتهاون الناس وزوال الرغبة فی ذٰلک ان کان دون أجر. (الکافی فی الفقہ الحنفی ج۳/ص۱۲۵۳، کتاب الاجارہ)

حقیقت یہ ہے کہ مفت تراویح پڑھانے والے ملیں یا نہ ملیں، فقہاء کے جواز کے عمومی فتویٰ کی وجہ سے امامت تراویح پر اجرت لینا و دینا جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم کا فتویٰ گزر چکا ہے۔

نماز تراویح کی طرح ختم قرآن بھی سنت مؤکدہ ہے

نماز تراویح کی طرح ختم قرآن بھی سنت مؤکدہ ہے، فقہاء نے عام حالات میں لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے اس کو ترک کرنے سے منع فرمایا ہے، وأكثر المشائخ على أن السنة فيها الختم مرة فلايترک لكسل القوم، وفی الحاشية والختم مرةً سنةٌ مؤكدةٌ (ہدایہ ج۱/ص۱۵۱، نہایہ شرح ہدایہ ج۱/ص۱۳۱) محقق ابن ہمامؒ نے صاحب ہدایہ کی عبارت ''فلايترک لكسل القوم'' کے تحت فرمایا تاكيد فی مطلوبية الختم ، اس عبارت سے ختم القرآن فی التراویح کا مؤکد ہونا مترشح ہوتا ہے۔ (فتح القدیر ج۱/ص۴۶۹)

ثم اعلم التراويح سنة مؤكدة بالجماعة والختم عندنا (اعلاء السنن ج۷/ص۱۷۱) صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے، قوم کی کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے اس سے ظاہراً سنت مؤکدہ ہی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۱/ص۳۳۰، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج۳/ص۲۶۹)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف ختم پڑھ کر یا سن کر؛ سنت ہے، اسی طرح جماعت تراویح بھی سنت مؤکدہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۱/ص۱۱/۴۲۲)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: خلاصہ یہ ہے کہ تراویح میں ایک ختم تاکیدی سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے، روافض اس سے محروم ہیں اور حفظ قرآن نیز بقائے قرآن کا بھی بڑا ذریعہ ہے، اگر خدانخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے گا اور حفاظ عنقا ہوجائیں گے، لہٰذا کسی بھی صورت میں اس سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے، اس سنت پر خیر القرون اور صحابہ کے مبارک زمانے سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذاہب کے علماء، فقہاء، مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر دل وجان سے عامل اور متفق رہے ہیں۔ (ج۳/ص۲۷۲)

ويسن فيها الختم مرةً ومازاد فحسن هكذا جرى التوارث من زمان الأمير المؤمنين عمرؓ الى هٰذا الآن وهٰذه الأحكام مماتفق عليه فقهاء المذاهب الأربع من غير خلاف۔ (رسائل الارکان ص۱۳۹)

اسلاف کا عمل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے، اتفاق سلف توارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ یعنی اسلاف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے، ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں:

لأن المسلمين توارثوا هكذا فوجب أن يتبع توارث المسلمين۔ (البحر الرائق ج۲/ص۱۶۵)

بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختم قرآن کے لئے مشروع ہوئی ہے، لأنها (أی التراويح) شرعت لأجل ختم القرآن ۔ (طحاوی علی مراقی الفلاح ص۴۴۱) وكذا مجمع الأنهر ج۱/ص۲۰۳، المحيط البرهانی ج۱/ص۴۶۰)

اور ہر محلّہ کی مسجد میں جماعت سے تراویح ہونے کا اہتمام اور تاکیدی حکم کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ وأما قراءة القرآن فی التراويح مستحب (ای مسنون) باتفاق أئمة المسلمين بل من أجل مقصود التراويح قراءة القرآن فيها ليسمع المسلمون كلام اللّٰه، فان شهر رمضان فيه نزل القرآن وفيه كان جبريل

یدارس النبی ﷺ علیه القرآن. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۱/ص۱۴۷)

وقال الباجی فی شرح المؤطأ: وانما جعل ذٰلک فی المساجد فی رمضان لکی یحصل لعامة الناس فضیلة القیام بالقرآن کله وسماع کلام ربهم فی أفضل الشهور۔ (کتاب المدخل ج۲/ص۸۹)

وذکر صاحب الکنز: أن ابن منیع روی عن أُبیّ بن کعب أن عمر بن الخطاب أمره أن یصلی باللیل فی رمضان... الخ۔ (کنز العمال ج۸/ص۴۰۹/۲۳۴۷۱)

وقال فی اعلاء السنن بعد ذکر هٰذا الأثر: ولاینزل عن الضعیف وفیه ایضاً مایشعر بأن علة الجماعة فی التراویح هی تحصیل قراء ة القرآن، ولایصح حمل قوله "ولایحسنون أن یقرء وا" علی نفی احسان القراء ة مطلقاً عنهم کمامرّ،فلابد من حمله علی ما قلنا: أنهم لایحسنون أن یقرء وا القرآن کله منفردین، فلو قرأت علیهم باللیل وأنت أقرأهم لَحصلَ الختم للناس کلهم۔ (اعلاء السنن ج۷/ص۷۴)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ تراویح میں قرآن ختم کرنا؛ پڑھ کر یا سن کر، سنت مؤکدہ اور اسلاف کا متوارث عمل ہے اور بقول بعض فقہاء؛ تراویح کا مقصود اعظم ہی ختم قرآن ہے، بلکہ تراویح کی مشروعیت ہی ختم قرآن کے لئے ہوئی ہے اور مساجد میں جماعت تراویح کے قیام کی علت اور مقصد بھی یہ ہے کہ لوگ تراویح میں پورا قرآن شریف سن سکیں، اس سے تراویح میں ختم قرآن کی تاکیدی سنت، اہمیت اور مقصودیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اور اس قول کے اعتبار سے تو جس امامت تراویح کے لئے اجرت پر رکھنا جائز ہے اس امامت سے صرف ختم قرآن کے ساتھ امامت مراد ہوگی، نہ کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھانے کی امامت، اور یہ بالکل ظاہر ہے، قال القاضی الامام ابو علی النسفیؒ: واذا ختم فی التراویح مرةً وصلّی العشاء بقیة الشهر من غیر تراویح، یجوز من غیر کراهةٍ، لأن التراویح ماشرعت بحق نفسها بل لأجل القرء ة فیها۔ (المحیط البرہانی ج۱/ص۴۶۰)

باجماعت تراویح پڑھنا اور ختم قرآن دو الگ الگ سنتیں ہیں

باجماعت تراویح پڑھنا اور تراویح میں پورا قرآن شریف ختم کرنا؛ پڑھ کر یا سن کر، بلاشبہ دو الگ الگ سنتیں ہیں، لیکن مفتیٰ بہ قول کے مطابق باجماعت تراویح پڑھنا مستقل بالذات سنت ہے اور ختم قرآن تراویح کی ضمنی سنت ہے، لہٰذا نفس تراویح کی سنت ختم قرآن کے بغیر بھی ادا ہوسکتی ہے، البتہ ختم قرآن کی سنت بلا تراویح کے ادا نہیں ہوسکتی ہے، جب بھی ادا ہوگی تو تراویح کے ضمن میں ہی ادا ہوگی۔

لوحصل الختم لیلة التاسع عشر أوالحادی والعشرین لاتترک التراویح فی بقیة الشهر، لأنها سنة، کذا فی الجوهرة النیرة، الأصح أنه یکره له الترک، کما فی السراج الوهاج. (فتاویٰ عالمگیری ج۱/ص۱۱۸)

جب ختم قرآن تراویح کی ضمنی اور تبعی سنت ہے تو اجارہ اصل چیز کے لئے ہوتا ہے، نہ کہ ضمنی چیز کے لئے، بالفاظ دیگر؛ اجرت اصل کے مقابل ہوتی ہے، نہ کہ ضمنی چیز کے مقابل، البتہ ضمنی چیز کبھی اجارہ وبیع میں تبعاً مقصود ہوتی ہے، لیکن اس کے ضمناً وتبعاً مقصود ہونے سے اس کا مقصود اصلی ہونا اور اجرت کا اس کے مقابل ہونا لازم نہیں آتا ہے، کیوں کہ ضمنی چیز اصل ہی کے ضمن میں تبعاً مقصود ہوتی ہے، نہ کہ خود مستقل بالذات، یہاں دو چیزوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے (۱) کسی چیز کا مقصود اصلی ہونا (۲) کسی چیز کا دوسری چیز کے ضمن میں تبعاً مقصود ہونا، دونوں میں بڑا فرق ہے اور دونوں

کے احکام میں بھی واضح فرق ہے، مثلاً میعاد کا اصلاً معاوضہ لینا جائز نہیں، اور بیع کے ضمن میں تبعاً جائز ہے، پس اگر کسی نے پانچ سو روپئے قیمت کی چیز دو ماہ کی میعاد طے کر کے دوسرے کو آٹھ سو روپئے میں فروخت کی، تو بیع کے ضمن میں میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے، اور یہ اضافہ درحقیقت میعاد ہی وجہ سے ہے، اسی لئے یہ چیز نقد میں پانچ سو روپیوں میں فروخت ہوتی ہے، لیکن میعاد بیع میں ضمناً وتبعاً مقصود ہوتی ہے، نہ کہ اصلاً، اصلاً تو مبیع ہی مقصود ہوتی ہے، اگر مبیع خریدنی نہ ہوتی تو یہ میعاد بھی مقصود نہ ہوتی، لہٰذا پورا ثمن اصل یعنی مبیع کے ہی مقابل سمجھا جائے گا، اگرچہ ثمن میں کچھ اضافہ میعاد کی وجہ سے بھی ہوا ہے، اور یہ بیع بلاشبہ جائز ہے۔ **ألا یریٰ أنہ یزاد فی الثمن لأجل الأجل.** (ہدایہ ج۳/ص۵۸، باب الرابحہ) **لأن الأجل لایقابلہ شئٌ من الثمن۔** (حوالہ بالا)

اسی طرح ختم قرآن تراویح میں ضمناً وتبعاً مقصود ہوتا ہے، لیکن وہ مقصود اصلی نہیں ہوتا ہے، تراویح میں ختم قرآن کو مقصود اصلی اسی وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ تراویح پڑھنا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف ختم قرآن ہی مقصود اصلی ہو، اور اس کے لئے ہی تراویح پڑھتے اور پڑھاتے ہوں، حالاں کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوسکتا ہے، اور یہ حقیقت کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ اگر تراویح پڑھنا مقصود اصلی نہ ہوتا تو نہ کسی حافظ کو بلایا جاتا اور نہ ہی ختم قرآن کیا جاتا، ختم قرآن بھی تراویح کی سنت ہونے کی وجہ سے ہی کیا جاتا ہے، بذات خود ختم قرآن مقصود نہیں، اگر تراویح میں ختم قرآن سنت نہ ہوتا تو ختم قرآن کا اہتمام بھی نہ کیا جاتا، جیسا کہ دوسری نمازوں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، پس مقصود اصلی تو نماز تراویح کا پڑھنا ہی ہے، مگر اس کی تمام سنتوں (جماعت اور ختم قرآن) کے ساتھ، یہی وجہ ہے کہ ختم قرآن نہ کرنا ہو تو بھی تراویح پڑھتے ہیں اور اس کے لئے امام مقرر کرتے ہیں، اسی لئے فقہاء نے تقلیل جماعت اور ترک تراویح کے اندیشہ کے وقت ختم قرآن کو ترک کر دینا افضل قرار دیا ہے، تاکہ مقصود اصلی کا ترک لازم نہ آئے، لہٰذا ختم قرآن کو مقصود اصلی قرار دینا درست نہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب تراویح پڑھنا ہی مقصود اصلی ہے تو الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے کو بھی رکھ سکتے ہیں، حافظ کو رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہے، تو یہ سوال بالکل ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ فرض نمازوں کی امامت پر اجرت لینے کی اجازت ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت ایسے امام کو رکھنے سے پوری ہوجاتی ہے جو ما تجوز بہ الصلوٰۃ سے نماز پڑھادے اور ایسے امام چار یا پانچ ہزار معمولی تنخواہ پر مل جاتے ہیں، لہٰذا دس یا بارہ ہزار تنخواہ دیکر ایسے امام کو رکھنا جائز نہیں جو متقی، خوش الحان، نماز کے آداب وسنن اور قرأت مسنونہ کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھانے والا ہو، کیوں کہ اس امام کو زیادہ تنخواہ دیکر رکھنے میں مذکورہ امور ہی مقصود ہوتے ہیں اور نماز ان امور کے بغیر بھی ادا ہوسکتی ہے، تو یقیناً یہ بات درست نہیں، کیوں کہ زیادہ تنخواہ دیکر اچھا امام رکھنے میں مذکورہ امور بلاشبہ مقصود ہوتے ہیں، لیکن امامت کے ضمن میں تبعاً مقصود ہوتے ہیں، اصلاً ومستقلاً نہیں، پس اجارہ اصلاً امامت کے لئے ہے، نہ کہ ضمنی امور کے لئے، اور اجرت امامت کے ہی مقابل ہوگی، نہ کہ ضمنی امور کے مقابل، اسی طرح حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے میں ختم قرآن امامت کے ضمن میں تبعاً مقصود ہوتا ہے، اصلاً، مجرداً اور مستقلاً نہیں، لہٰذا تراویح پڑھانے والا حافظ ہو یا غیر حافظ اجارہ اصلاً امامت تراویح کے لئے ہے اور اجرت امامت کے ہی مقابل ہوگی، نہ کہ ختم قرآن یا الم ترکیف کے مقابل، اور متأخرین فقہاء نے امامت پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے خواہ فرض نمازوں کی امامت ہو یا نماز تراویح کی، جیسا کہ ماقبل میں مدلل ثابت کیا جاچکا ہے۔

بعض حضرات فرض نمازوں میں قرأت مسنونہ اور تراویح میں ختم قرآن، دونوں میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ فرض نمازوں کی قرأت مسنونہ نماز کا حصہ اور ضمنی سنت ہے، اس کے بغیر نماز ناقص رہتی ہے، اور تراویح میں ختم قرآن مستقل سنت ہے، تراویح کا حصہ نہیں اور فقہاء نے لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے اس کو ترک کرنے کی بھی اجازت دی ہے، لہٰذا نماز تراویح اس کے بغیر بھی ادا ہوجاتی ہے، لیکن یہ بات فقہی اعتبار سے

درست نہیں، کیوں کہ کتب فقہ میں صراحت موجود ہے کہ فرض نمازوں میں قرأت مسنونہ اور تراویح میں ختم قرآن دونوں ہی سنت ہیں، بلکہ ختم قرآن کا سنت مؤکدہ ہونا راجح ہے، اور عام حالات میں فقہاء نے دونوں کو ترک کرنے سے منع فرمایا ہے، اور لوگوں کی غیر معمولی کاہلی کے وقت دونوں کو ترک کرنے کی اجازت دی ہے، **وفی المجتبٰی عن الامام لو قرأ ثلاثاً قصاراً أو آیةً طویلةً فی الفرض فقد أحسن ولم یسئ، فماظنک بالتراویح؟** (در مختار مع الشامی ج/ ۲ ص/ ۴۳۴ وکذا فی مجمع الأنهر ج/ ۱ ص/ ۲۰۴)

ختم قرآن کو مستقل سنت کہنا فقہی اور لغوی اعتبار سے درست نہیں، مستقل سنت تو اس کو کہتے ہیں جو تنہا ادا ہو سکتی ہو، اس کی ادائیگی دوسری چیز پر موقوف نہ ہو، ختم قرآن نماز تراویح کی ضمنی سنت ہے، اسی لئے نماز تراویح فاسد ہونے کی صورت اس میں پڑھے قرآن کا اعادہ ختم قرآن کی سنت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔

فرض نمازوں اور تراویح میں پڑھی جانے والی قرأت خواہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ سے ہو یا قرأت مسنونہ کے ساتھ، الم ترکیف سے ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، تلاوت مجردہ نہیں، کماسیأتی۔

تراویح میں ختم قرآن کو تلاوت مجردہ پر قیاس کرنا درست نہیں

تلاوت مجردہ کہتے ہیں: صرف تلاوت کر کے ثواب حاصل کرنا مقصود ہو اور یہ تلاوت کسی دوسری عبادت کے ضمن میں تبعاً نہ ہو، تلاوت مجردہ نماز اور روزہ کی طرح عبادت مستقلہ اور مقصودہ بالذات ہے، اور وہ کسی عبادت کے فرض یا سنت کی ادائیگی کے لئے نہیں ہوتی ہے، اور عبادت مقصودہ کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **الأول مایکون قربةً مقصودةً بالذات کالصلوٰة والصوم والتلاوة والتسبیح والحج ونحوها، فلایجوز أخذ الأجرة علیه، لأنه ماشرع الا بوصف العبادة والخلوص لله تعالیٰ وارادة الدنیا به قلب الموضوع۔** (رسائل ابن عابدین ج/۱ص/۱۷۸)

ولاشک أن التلاوة المجردة عن التعلیم من أعظم الطاعات التی یطلب بها الثواب، فلا یصح الاستیجار علیها ۔ (شامی ج/۹ ص/۷۷، زکریا)

اور تلاوت غیر مجردہ اس تلاوت کو کہتے ہیں جو کسی عبادت کے ضمن میں تبعاً ہو اور محض ثواب حاصل کرنے کے لئے نہ ہو، بلکہ اصلاً تعلیم یا نماز یا تراویح کے لئے ہو، اور اصلاً ثواب ان عبادتوں سے حاصل کرنا مقصود ہو، چنانچہ ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی صورت میں نماز تراویح کو اس کی سنت کے ساتھ ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے، مگر ختم قرآن کا نماز تراویح سے الگ مستقل کوئی ثواب نہیں ملتا، اور اس کا نماز تراویح سے الگ مستقل ثواب کیسے مل سکتا ہے؟ جبکہ اس سنت کی ادائیگی بلا نماز تراویح کے مجرداً و مستقلاً ممکن و معتبر نہیں، اسی لئے نماز تراویح کے فاسد ہونے کی صورت میں ان رکعتوں کے اعادہ کے وقت ان میں پڑھے ہوئے قرآن کا بھی اعادہ ضروری ہے، تاکہ ختم قرآن کی سنت جائز نماز تراویح میں ادا ہو **واذا فسد الشفع وقد قرأ فیه لایعتدّ بماقرأ فیه ویعید القراءة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائزة** (فتاویٰ عالمگیریہ ج/۱ص/۱۱۸)

پس نماز تراویح میں پڑھی جانے والی قرأت خواہ مقدار فرض ہو یا واجب یا سنت، تلاوت غیر مجردہ، عبادت غیر مستقلہ، غیر مقصودہ بالذات اور نماز کا حصہ اور جزء ہوتی ہے، تلاوت مجردہ نہیں، اور ختم قرآن محض تلاوت مجردہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اصلاً نماز تراویح کی ایک اہم اور متوارث سنت کی ادائیگی کے لئے ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ختم قرآن کا دوسری نمازوں میں اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، حالاں کہ تلاوت مجردہ کا ثواب تو دوسری نمازوں میں بھی ختم پر ملتا ہے، لہٰذا اس کو تلاوت مجردہ کہنا فقہی تصریحات کے خلاف ہے، کیوں کہ فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ

تلاوت مجردہ، عبادت مستقلہ، مقصودہ بالذات، اوراعظم طاعات ہے، اورمحض ثواب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، پس جوسنت (ختم قرآن) نماز تراویح کی وجہ سے ہی مقصود ہے اوراس کے ضمن میں تبعاً ہی مطلوب ہے اور بلانماز تراویح کے مجرداً ومستقلاً ادانہیں ہوسکتی ہے اور نہ ہی معتبر ہے، اس کو تلاوت مجردہ اورمقصودہ بالذات قرار دینا فقہی تصریحات کے خلاف ہے اوراس کوتلاوت مجردہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

تراویح میں ختم قرآن کوقائلین عدم جواز نے تلاوت مجردہ قرار دے کر، تلاوت مجردہ پراجرت لینے کی جووعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں، وہ سب وعیدیں ختم قرآن کے لئے ثابت کردی ہیں، حالاں کہ صرف ان وعیدوں کو بیان کرنے سے ختم قرآن کا تلاوت مجردہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے، بلکہ پہلے ختم قرآن کودلائل سے تلاوت مجردہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اوروہ بھی متأخرین فقہاء کی عبارات سے، نہ کہ متقدمین فقہاء کے کلام سے، کیوں کہ متقدمین کے کلام سے توتعلیم، اذان اورامامت سب کا عدم جواز ہی ثابت ہوتا ہے، ان کے نزدیک تلاوت مجردہ اورغیر مجردہ کے درمیان، اسی طرح عبادت مقصودہ اوروسیلہ (تعلیم، امامت) کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا، سب پراجرت لینے کے عدم جواز کا حکم تھا، تلاوت مجردہ اورغیر مجردہ، عبادت مقصودہ اور وسیلہ کے درمیان فرق توتأخرین فقہاء نے کیا ہے۔

ختم قرآن کے تلاوت مجردہ ہونے کی دلیل قائلین عدم جواز کی طرف سے صرف یہ دی جاتی ہے کہ اس سے ثواب مقصود ہوتا ہے، حالاں کہ یہ دلیل ختم قرآن کوتلاوت مجردہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں، کیوں کہ تلاوت مجردہ کی تعریف کے دو بنیادی اجزاء ہیں: (۱) مجرد تلاوت ہو، کسی عبادت کے ضمن میں نہ ہو۔ (۲) تلاوت اصلاً محض تلاوت مجردہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ہو، ان دواجزاء میں سے اگرایک جزء بھی فوت ہوجائے تواس کوتلاوت مجردہ کہنا ہی درست نہیں، اورختم قرآن میں تلاوت مجردہ کی تعریف تو کیا پائی جاتی، تعریف کا ایک جزء بھی نہیں پایا جاتا ہے، پہلے جزء کا نہ پایا جانا تو بالکل واضح ہے، اوردوسرا جزء اس لئے نہیں پایا جاتا ہے کہ ختم قرآن اصلاً محض تلاوت مجردہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اصلاً تو محض تراویح کی سنت ادا کرنے کے لئے ہے، اورمقصود مسنون تراویح کا ثواب حاصل کرنا ہے، اسی لئے دوسری نمازوں میں ختم قرآن کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، حالاں کہ نفس تلاوت کا ثواب تو ہر نماز میں ختم قرآن پر ملتا ہے، پس ختم قرآن میں سنت ادا کرنے کے واسطہ سے ثواب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اورایسا بالواسطہ ثواب توتعلیم، فرض نمازوں میں پڑھی جانے والی قرأت اور بلاختم قرآن کے نماز تراویح کی قرأت میں بھی مقصود ہوتا ہے، بلکہ نماز کے ہر ہر عمل سے مقصود ہوتا ہے، اورایسا بالواسطہ ثواب مقصود ومطلوب ہونے سے کسی تلاوت کوتلاوت مجردہ کہہ دینا یا اس کے حکم میں قرار دے دینا درست نہیں، ورنہ کوئی تلاوت، تلاوت غیر مجردہ باقی نہیں رہے گی۔ **ولاشک ان التلاوۃ المجردۃ عن التعلیم من اعظم الطاعات التی یطلب بھا الثواب فلایصح الاستیجار علیھا.** (شامی ج۹/ص۷۷، زکریا) **أن الرقیۃ لیست بقراءۃ محضۃٍ** (فتح باب العنایہ شرح النقایہ ج۲/ص۴۳۶)

فقہاء نے تعلیم کے لئے کی جانے والی تلاوت کوصراحتاً تلاوت غیر مجردہ قرار دیا ہے، حالاں کہ بالواسطہ ثواب تواس تلاوت سے بھی مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

تلاوت مجردہ میں مجردہ کا متعلق محذوف ہے اوروہ ہے **عن الرقیۃ والتعلیم والصلوٰۃ والتراویح**، اورمجردہ کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ تلاوت، رقیہ، تعلیم، نماز اورتراویح سے مجرد اورالگ ہو، ان میں سے کسی کے ضمن میں نہ ہو، لہٰذا تراویح میں ختم قرآن کو، جودرحقیقت تلاوت غیر مجردہ ہے، تلاوت مجردہ قرار دینا فقہی اعتبار سے، بلکہ لغوی اعتبار سے بھی درست نہیں، یہ کس چیز سے مجرد ہے؟

علامہ شامیؒ نے ''**شفاء العلیل وبل الغلیل فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتھالیل**'' کے نام سے مستقل ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے،

جس میں تلاوت مجردہ کی مختلف صورتوں پر مدلل کلام کیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ خود اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: **وقد كنت بسطت الكلام على هذه المسئلة في رسالة سميتها شفاء العليل وبل الغليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل فان اردت الوقوف على عين اليقين فارجع اليها فان فيها مايشفي ويكفي فان ماذكرناه منها هنا كقطر من بحر او شذرة من عقد نحر .** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۳۱۵) لیکن اس رسالہ میں بھی کہیں علامہ شامیؒ نے تراویح میں ختم قرآن کو تلاوت مجردہ قرار نہیں دیا ہے، اور ان کے علاوہ کسی اور فقیہ نے بھی اس کو تلاوت مجردہ یا تلاوت مجردہ کے حکم میں نہیں قرار دیا ہے۔

متأخرین فقہاء نے صراحت کے ساتھ صرف تلاوت مجردہ کے لئے اجارہ کو ناجائز قرار دیا ہے، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ تلاوت غیر مجردہ تو کسی عبادت کے ضمن تبعاً ہوتی ہے، اس لئے تلاوت غیر مجردہ تابع ہے اور وہ عبادت جس کے ضمن میں تبعاً تلاوت ہوتی ہے، متبوع ہے، اور اجارہ اصلاً متبوع کے لئے ہوتا ہے، نہ کہ تابع کے لئے، لہٰذا اجارہ کے جواز وعدم جواز کا حکم متبوع کے اعتبار سے ہوگا، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے تلاوت غیر مجردہ کا مستقل حکم کہیں ذکر نہیں کیا ہے، کیوں کہ فقہی قاعدہ ہے: **لأن التابع للشيء في الوجود تابع له في الحكم** ۔(شرح المجلہ لرستم، المادۃ:۴۷،ص۳۹) **التابع لايفرد له بالحكم**۔(حوالہ بالا، المادۃ:۴۸)

یعنی تابع کا کوئی مستقل حکم نہیں ہوتا، اور جب ختم قرآن کی سنت اپنے وجود میں نماز تراویح کے تابع ہے اس کے بغیر اس سنت کا وجود مستقلاً ومجرداً ممکن نہیں، اور اس کا اعتبار بھی نہیں، اس کا وجود ہمیشہ نماز تراویح کے تابع ہونے حیثیت سے ہی ہوتا ہے، تو اس کے نماز تراویح کے تابع اور اس کا جزء ہونے میں کوئی شک نہیں، ختم قرآن اگر چہ نماز تراویح کا جزء لازم نہیں، لیکن تابع ہونے کے لئے جزء لازم کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ متبوع کا ایک حصہ بن کر اس کے ضمن میں تبعاً ہی پایا جانا کافی ہے، خواہ وہ جزء لازم ہو یا نہ ہو، جیسا کہ میعاد کا معاوضہ لینا اصلاً جائز نہیں اور بیع کے ضمن میں تبعاً جائز ہے، حالاں کہ میعاد؛ بیع کا جزء لازم نہیں، کبھی بیع میں ثمن ادا کرنے لئے میعاد ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، اور حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے کی صورت میں ختم قرآن کو مقصود اصلی اور نماز تراویح کو غیر مقصود یا مقصود تبعی کہنا درحقیقت تابع کو متبوع اور متبوع کو تابع قرار دینا ہے، جس کا درست نہ ہونا بالکل واضح ہے۔

بالفرض اگر تراویح میں ختم قرآن کو بھی تلاوت مجردہ قرار دیا جائے تو فرض نمازوں میں پڑھی جانے والی قرأت خواہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ کے ساتھ ہو یا قرأت مسنونہ کے ساتھ، اور تراویح میں الم ترکیف سے پڑھی جانے والی قرأت کا بھی تلاوت مجردہ ہونا لازم آئے گا، تو پھر تلاوت غیر مجردہ کس کو کہا جائے گا؟ اور فقہاء کا جگہ جگہ اجرت کے عدم جواز کے سلسلے میں تلاوت کے ساتھ مجردہ کی قید لگانا بے معنیٰ اور لغو ہوگا، حالاں کہ فقہاء نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دین میں تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کے جواز کا متقدمین ومتأخرین فقہاء میں سے کوئی بھی قائل نہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **ولم يقل أحد منهم بصحته على التلاوة المجردة.... وقدمنا غير مرةٍ أنه لاضرورة في الدين للاستيجار على القراءة المجردة.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۰)

پس نتیجہ یہ نکلے گا کہ تعلیم، امامت مکتوبہ اور امامت تراویح کسی کے لئے اجرت پر رکھنا ناجائز ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں یہ سب تلاوت مجردہ پر مشتمل ہوں گے، حالاں کہ یہ باطل ہے، اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوتا ہے۔

اگر تلاوت مجردہ اور غیر مجردہ ہونے کا مدار اس پر رکھا جائے کہ کسی عبادت میں تلاوت کی جو مقدار فرض اور واجب ہو، وہ تلاوت غیر مجردہ ہے، اور فرض وواجب مقدار سے زائد مقدار خواہ سنت ہو یا نفل، وہ تلاوت مجردہ ہے، تو **اولاً** تو تلاوت مجردہ اور غیر مجردہ کے درمیان اس طرح کا فرق کسی

فقیہ سے منقول نہیں، **ثانیاً** بالفرض اگر یہ بات درست ہوتی تو فقہاء اجارہ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں تلاوت مجردہ اور غیر مجردہ کی تعبیر اختیار نہ فرماتے، بلکہ تلاوت واجبہ اور غیر واجبہ کی تعبیر اختیار فرماتے، کیوں کہ یہ تعبیر مرادی معنیٰ اور مفہوم کے مناسب ومطابق ہے، نہ کہ پہلی تعبیر، **ثالثاً** اس لئے کہ نماز تراویح اپنے تمام ارکان، واجبات، سنن اور مستحبات سمیت ایک ہی عبادت ہے جو مستقلہ اور مقصودہ بالذات ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ تلاوت مجردہ، عبادت مستقلہ اور مقصودہ بالذات ہے، اب اگر ختم قرآن کو تلاوت مجردہ قرار دیا جائے، تو اس کا بھی عبادت مستقلہ اور مقصودہ بالذات ہونا لازم آئے گا، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک عبادت مستقلہ اور مقصودہ بالذات میں دو مستقل مقصود بالذات عبادتوں کا اجتماع لازم آئے گا، جو ناممکن ہے، لہٰذا نماز تراویح کو عبادت مستقلہ اور مقصود اصلی قرار دینا اور ختم قرآن کو تلاوت غیر مجردہ، عبادت غیر مستقلہ، غیر مقصودہ بالذات اور مقصود ضمنی وتبعی قرار لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ جن فقہاء نے ختم قرآن کو مقصود اصلی قرار دیا ہے انھوں نے نماز تراویح کو غیر مقصود قرار دیکر ختم قرآن کے بعد باقی رمضان نماز تراویح کو ترک کر دینا بلا کراہت جائز قرار دیا ہے۔

حاصل یہ کہ تلاوت مجردہ میں تلاوت مستقلاً ومجرداً ہوتی ہے، کسی عبادت کے ضمن میں تبعاً نہیں ہوتی، اور محض ثواب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور تلاوت غیر مجردہ میں تلاوت مجرداً ومستقلاً نہیں ہوتی، بلکہ دوسری عبادت کے ضمن میں تبعاً ہوتی ہے، اور تلاوت اصلاً محض تلاوت مجردہ کا ثواب حاصل کرنے کے لئے نہیں، بلکہ تعلیم، نماز اور تراویح کے فرض یا سنت وغیرہ کی ادائیگی کے لئے ہوتی ہے اور ثواب ان عبادتوں سے حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کے مفاسد

تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری اجرت لیکر قرآن مجید پڑھے اور اس کا ثواب مستأجر یا اس کے کسی میت رشتہ دار کو عطا کرے، اور یہ ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں کئی مفاسد ہیں:

(۱) قاری کو تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھا جاتا ہے، لہٰذا وہ محض مال حاصل کرنے کے لئے تلاوت کرتا ہے، اور اجرت محض تلاوت کی بنیاد پر دی جاتی ہے، یہ صورت احناف کے نزدیک بلاشبہ ان آیات واحادیث میں داخل ہے جن میں قرآن مجید کے ذریعہ دنیا کمانے کی وعید وارد ہوئی ہے، اور اس صورت میں معطی وآخذ دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔

(۲) اجرت محض ثواب عطا کرنے کی بنیاد پر لی اور دی جاتی ہے اور یہاں قاری کی نیت فاسد ہونے کی وجہ سے خود اس کو تلاوت کا ثواب نہیں ملتا، تو وہ مستأجر کو کس طرح ثواب عطا کرے گا؟ اور جب وہ کام کیا ہی نہیں، جس کی وہ اجرت لے رہا ہے تو نہ یہ اجارہ جائز ہے اور نہ ہی اجرت لینا جائز ہے۔

(۳) اجارہ نام ہے منافع کی بیع کا، اور یہاں قاری کو ثواب کے علاوہ کوئی منفعت حاصل نہیں ہوتی ہے، بشرطیکہ حسبۃً للہ تلاوت کرے، تو گویا وہ معاوضہ لیکر ثواب فروخت کرتا ہے، حالاں کہ ثواب کی بیع جائز نہیں۔

(۴) تلاوت مجردہ، عبادت مقصودہ بالذات ہے اور عبادت کے لئے بلاضرورت اجرت پر رکھنا جائز نہیں اور تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کی دین میں کوئی ضرورت نہیں۔

ويمنع القاري للدنيا والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل ان ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر، والقراءة لأجل المال، فاذا لم يكن للقاري ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل

الثواب الی المستأجر. (شامی ج۹/ص۷۷،زکریا)

واذکان لاثواب له لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر، لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الاجارة. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۷)

والمنفعة هنا هی الثواب لا القراء ة حتّی لوعلم المستأجر عدم حصول الثواب لم یعطه حبة علی مجرد القراء ة. فاذالم یسلم الثواب لایستحق الأجرة. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۲)**لأن الاستیجار بیع المنافع ولیس للتالی منفعة سوی الثواب ولایصح بیع الثواب.** (شامی ج۹/ص۷۷،زکریا) **وانما المحذور الاعطاء بدلاً عن ثواب القراء ة.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۱)**وقدمنا غیر مرةٍ أنه لاضرورة فی الدین للاستیجار علی القراء ة المجردة.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۰)

حافظ کوتراویح پڑھانے کے لئے رکھنے میں ضمناً وتبعاً ختم قرآن کے مقصود ہونے سے اس کا تلاوت مجردہ ہونا لازم نہیں آتا ہے اور نہ ہی اس میں تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کی خرابیاں پائی جاتی ہیں، اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ (۱) تلاوت مجردہ میں قاری محض تلاوت کرتا ہے اور مال محض تلاوت مجردہ کے عوض میں دیا جاتا ہے اور ختم قرآن نماز تراویح اور امامت کے ضمن میں تبعاً ہوتا، حافظ اصلاً نماز تراویح پڑھاتا ہے اور اجرت اصلاً امامت کی بنیاد پر دی جاتی ہے، نہ کہ محض ختم قرآن اور تلاوت مجردہ کی بنیاد پر، اور امامت پر اجرت لینا دینا جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر حافظ بلاتراویح کے ختم قرآن کرے تو کوئی اس کو ایک روپیہ بھی نہیں دے گا۔ (۲) تلاوت مجردہ میں اجرت محض تلاوت کرکے اس کا ثواب عطا کرنے کی بنیاد پر لی اور دی جاتی ہے اور ختم قرآن میں یہ خرابی نہیں، کیوں کہ حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ تراویح میں قرآن شریف ختم کرکے اس کا ثواب مقتدیوں کو عطا کرے اور مقتدی اس کے بدلہ میں حافظ کو اجرت دیں، بلکہ حافظ کے قرآن ختم کرنے سے صرف اس کی سنت ادا ہوتی ہے اور اس کا ثواب بھی صرف اسی کو ہی ملتا ہے، اور مقتدیوں کی سنت پورا قرآن سننے سے ادا ہوجاتی ہے، محض حافظ کے قرآن مجید پڑھ کر ختم کرنے سے مقتدیوں کی سنت ادا نہیں ہوجاتی ہے، پس حافظ کو اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے اور مقتدیوں کو اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے، ایک کے عمل کا ثواب نہ دوسرے کو ملتا ہے اور نہ ہی دینا مقصود ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ختم قرآن میں اگر حافظ کی نیت فاسد ہو جیسے ریا کاری، تو حافظ کو اس کا ثواب نہیں ملے گا، لیکن مقتدیوں کو پورا قرآن سننے کا ثواب ملے گا ان شاء اللہ۔ (۳) تلاوت مجردہ میں ثواب کی بیع ہوتی اور ختم قرآن میں ثواب کی بیع نہیں نہیں ہوتی، ہر ایک کو اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے، اور اجرت امامت کی بنیاد پر لی اور دی جاتی ہے۔ (۴) تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور امامت تراویح کے لئے اجرت پر رکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ مسجد میں باجماعت تراویح کے قیام سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے اور اس کا قیام بالکلیہ ترک کرنے کی صورت میں صحیح قول کے مطابق تمام لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔

ختم قرآن نماز تراویح کے ضمن میں تبعاً مقصود ہوتا ہے، مجرداً ومستقلاً نہیں، اور جس طرح فرض نمازوں کی امامت کے لئے صرف ماتجوز بہ الصلوٰۃ کے مقابلے میں زیادہ تنخواہ دیکر نماز کے آداب وسنن اور قرأت مسنونہ کی رعایت کے ساتھ خوش الحانی سے نماز پڑھانے والے متقی شخص کو رکھنا جائز ہے اور اجرت امامت کے ہی مقابل ہوگی، اگرچہ زیادہ تنخواہ دیکر اچھا امام رکھنے میں مذکورہ امور ہی مقصود ہوتے ہیں، لیکن سب امامت کے ضمن میں تبعاً ہی مقصود ہوتے ہیں، لہٰذا یہ ممنوع ومضر نہیں، اسی طرح حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے میں ختم قرآن کا ضمناً وتبعاً مقصود ہونا ممنوع ومضر نہیں۔

اگر حافظ سے صراحتاً ختم قرآن کے لئے اجارہ کا معاملہ کیا جائے اور اجرت کو ختم قرآن کے مقابل قرار دیا جائے تو یہ جائز نہیں، اس صورت میں صراحت کی وجہ سے اجرت کو امامت کے مقابل قرار دینا ممکن نہیں، کیوں کہ فقہی قاعدہ ہے: **المتعاقدان اذا صرحا بجهة الفساد فهو كما**

صرحا والا صرف الی الصحة (قواعدالفقہ ص/۱۸۸)

اوراگرنمازتراویح کے لئے اجارہ کا معاملہ کیاجائے تو یہ جائز ہے، اگرچہ حافظ کورکھا جائے اورتراویح میں ضمناً وتبعاً ختم قرآن بھی مقصود ہو، جیسا کہ کفایت المفتی کا فتویٰ گزرچکا ہے، کتب فقہ میں بہت سی ایسی نظیریں ہیں کہ ایک شی بالاصالہ جائزنہیں ہوتی، اور بالتبع جائز ہوتی ہے، اسی لئے تو قائلین عدم جواز نے فرمایا ہے ''تراویح کی امامت کی تنخواہ مستقلاً طے کرکے لینا جائزنہیں، فرائض خمسہ کے تابع کرکے لینے کی گنجائش ہے'' (چنداہم عصری مسائل ص:۲۰۲، مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی) جب ایک مستقل عبادت اورعمل یعنی امامت تراویح کو دوسری مستقل عبادت اورعمل یعنی امامت مکتوبہ کے تابع کرکے تنخواہ لینا درست ہے، حالاں کہ یہ تو محض ایک حیلہ ہے، جس کی اکابر نے صراحت بھی فرمائی ہے، توختم قرآن جوحقیقتاً امامت تراویح کے تابع اوراس کا ایک ضمنی عمل ہے، اس کوامامت تراویح کے تابع قراردینا بدرجۂ اولیٰ درست ہے، اور یہ تو حیلہ بھی نہیں، بلکہ مسئلہ ہے، اورختم قرآن کے پیش نظرامامت تراویح کی اجرت میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے، لیکن بہرصورت اجرت اصل یعنی امامت کے مقابل ہوگی، نہ کہ تابع یعنی ختم قرآن کے مقابل۔

مذکورہ تفصیل سے یہ شبہ بھی زائل ہوگیا کہ تراویح میں ختم قرآن محض سنت ہے، اورتلاوت مجردہ کے لئے اجرت پررکھنا ناجائزاورحرام ہے، لہٰذا سنت کی ادائیگی کے لئے ناجائز کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ اس سنت کوہی ترک کردیا جائے گا، کیوں کہ اس شبہ کا مدار دوباتوں پر ہے (۱) ختم قرآن تلاوت مجردہ ہو (۲) اجارہ محض تلاوت مجردہ کے لئے ہو، حالاں کہ ماقبل میں بالتفصیل مدلل ثابت کیا جاچکا ہے کہ ختم قرآن نہ تو تلاوت مجردہ ہے اورنہ ہی اجارہ، محض تلاوت مجردہ کے لئے ہے، بلکہ اصلاً اجارہ امامت تراویح کے لئے ہے اورختم قرآن تو تراویح کے ضمن میں ہوتا ہے اورتبعاً مقصود ہوتا ہے اوراس کے ضمناً وتبعاً مقصود ہونے سے اس کا تلاوت مجردہ ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے، اورنہ ہی اجرت کا اس کے مقابل ہونا لازم آتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

شبہ یہ ہے کہ تراویح میں مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہوتا ہے، لہٰذا ختم قرآن تلاوت مجردہ ہے اورحافظ کوتراویح پڑھانے کے لئے رکھنا درحقیقت ختم قرآن کے لئے اجرت پررکھنا ہے اورحضرات صحابہ کرامؓ بھی تراویح کی اجرت کواسی لئے ناجائز سمجھتے تھے کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ابواسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ نے لوگوں کوتراویح پڑھائی، جب عید کا دن آیا توان کی خدمت میں عبداللہ ابن زیاد نے ایک جوڑا اور پانچ سودرہم پیش کئے، آپ نے ان کولوٹا دیا اورفرمایا ہم قرآن کریم پڑھنے پرکوئی اجرت نہیں لیا کرتے ہیں، اسی طرح عمرو بن نعمان بن مقرن کی خدمت میں حضرت مصعب بن زبیرؓ نے تراویح میں قرآن سنانے پر دوہزار درہم پیش کئے، آپ نے ان کوقبول نہیں فرمایا، بلکہ صاف جواب دیدیا کہ ہم قرآن کودنیا کمانے کے لئے نہیں پڑھتے ہیں۔

ففی مصنف ابن ابی شیبه: عن ابی اسحاق عن عبد اللّٰه بن مغفلؓ أنه صلّٰی بالناس فی شهر رمضان، فلما کان یوم الفطر بعث الیه عبد اللّٰه بن زیاد بحلة وبخمس مائة درهم، فردها، وقال: انا لا نأخذ علی القرآن أجراً. وعن ابی أیاس معاویة بن قرة قال کنت نازلاً علی عمرو بن نعمان بن مقرن فلما حضر رمضان جاء ه رجل بألفی درهم من قبل مصعب بن زبیر فقال ان الأمیر یقرئک السلام ویقول انا لم ندع قارئاً شریفاً الا قدوصل الیه منا معروف فاستعن بهٰذین علی نفقة

شهرک هٰذا، فقال عمرو اقرأ علی الأمیر؛ السلام، وقل واللّٰہ ماقرأنا القرآن نرید به الدنیا ورده علیه. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲/ص۱۶۸،رقم:۷۷۳۸)

جواب: تراویح میں مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہوتا ہے، یہ بعض فقہاء کا قول اور قول ضعیف ہے، اس قول کے اعتبار سے اگر ختم قرآن تین دن میں کرلیا تو باقی رمضان نماز تراویح ترک کردینا بلا کراہت جائز ہے، کیوں کہ ختم قرآن جو کہ مقصود اصلی ہے وہ حاصل ہوگیا اور نماز تراویح بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اس کی مشروعیت ہی ختم قرآن کے لئے ہوئی ہے، چنانچہ قاضی امام ابوعلی النسفیؒ تحریر فرماتے ہیں: قال القاضی الامام ابو علی النسفیؒ: واذا ختم فی التراویح مرةً وصلّی العشاء بقیة الشهر من غیر تراویح، یجوز من غیر کراهةٍ، لأن التراویح ماشرعت بحق نفسها بل لأجل القراء ة فیها۔ (المحیط البرہانی ج۱/ص۴۶۰)

اور اس قول کے اعتبار سے تو جس امامت تراویح کے لئے اجرت پر رکھنا جائز ہے، اس امامت سے مراد صرف ختم قرآن کے ساتھ ہی امامت ہوگی، اور یہ بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ مقصود اصلی کو چھوڑ کر بلا مقصد کے صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھنا بے سود ہے، لیکن جمہور فقہاء کا مذہب اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ نماز تراویح صرف ختم قرآن کے لئے مشروع نہیں ہوئی ہے، بلکہ یہ مستقل بالذات اور مقصود اصلی سنت ہے، جو ماہ رمضان کے شروع سے اخیر تک مسلسل جاری رہتی ہے اور جماعت تراویح کا وجود ضروریات دین اور شعائر اسلام میں سے ہے، اسی سے قیام رمضان اور اظہار شعائر ہوتا ہے، روی الحسن عن ابی حنیفة أنه قال القیام فی شهر رمضان سنة لا ینبغی ترکها. (بدائع الصنائع ج۱/ص۲۴۴،زکریا) اور ختم قرآن تو نماز تراویح کی ایک ضمنی سنت اور مقصود تبعی ہے، یہی وجہ کہ تقلیل جماعت اور ترک تراویح کے اندیشہ کے وقت فقہاء نے ختم قرآن کو ترک کردینا افضل قرار دیا ہے، تاکہ مقصود اصلی میں خلل واقع نہ ہو، اگر تراویح میں مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہوتا، تو فقہاء غیر مقصود کی وجہ سے مقصود اصلی کو ترک کرنے کا حکم نہ دیتے، نیز مسجد میں باجماعت نماز تراویح کے قیام کو بالکلیہ ترک کرنے کی صورت میں تمام لوگ گنہگار ہوتے ہیں، اور ختم قرآن کو لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے ترک کرنے کی صورت میں گنہگار نہیں ہوتے۔

اگر صحابہ کرامؓ تراویح کی اجرت کو اسی لئے ناجائز سمجھتے تھے کہ اس میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے، تو قرآن پاک تو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے، خواہ فرض نماز ہو یا بلا ختم قرآن کے تراویح، پھر تو امامت مکتوبہ پر بھی اجرت لینا ناجائز ہوگا، کیوں کہ جس طرح پورا قرآن مجید پڑھ کر اجرت لینا ناجائز ہے، اسی طرح قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی اجرت لینا ناجائز ہے اور چوں کہ کوئی نماز بلا قرأت کے درست نہیں ہوتی ہے، اس لئے امامت مکتوبہ کا اجارہ بھی قرأت قرآن پر بلاشبہ مشتمل ہوگا۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ صحابہ اور متقدمین فقہاء کے نزدیک تعلیم، اذان اور امامت وغیرہ پر اجرت لینا ناجائز تھا، اور یہ ان کے نزدیک اقرء وا القرآن و لاتأکلوا به میں داخل تھا، چنانچہ ان کے زمانے میں نہ کوئی ان پر اجرت لیتا تھا اور نہ کسی کو ان پر ہدیہ دیا جاتا تھا، لہٰذا ان کے زمانے میں تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ دینے سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا تھا کہ یہ ہدیہ ختم قرآن پر دیا جارہا ہے، اس لئے وہ حضرات اعلیٰ تقویٰ اور کمال اخلاص کی وجہ سے احتیاطاً اسے اپنے لئے قرآن پڑھنے پر اجرت لینا تصور کرتے تھے، حالاں کہ درحقیقت یہ اجرت ہے ہی نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں تراویح پڑھانے پر پہلے سے اجرت طے کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا، اور نہ ہی ختم قرآن پر اجرت یا ہدیہ دینے کا عرف تھا، اور ختم قرآن پر بغیر شرط وعرف کے دی جانے والی رقم یا چیز جب کہ تراویح پڑھانے والا مخلص ہو، خالص ہدیہ ہوتی ہے، اجرت نہیں، اور اسے لینا دینا بلاشبہ سب کے نزدیک جائز ہے، چنانچہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں بھی اس کو خالص ہدیہ قرار دیکر لینے دینے کی اجازت دی گئی ہے، لہٰذا

حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ کا یہ فرمانا: انا لا نأخذ علی القرآن أجراً. اعلیٰ تقویٰ اور کمال احتیاط کی وجہ سے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے تھا، نہ کہ فتویٰ کی بنیاد پر، اگر کوئی شخص احتیاطاً ایسے ہدیہ کو لینے سے پرہیز کرے تو یہ بہت بڑی فضیلت کی بات ہے، اس میں کوئی کلام نہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت مصعب بن زبیرؓ بطور ہدیہ ماہ رمضان میں تمام قرائے عظام کو کچھ نہ کچھ رقم عطا فرمایا کرتے تھے اور وہ قرائے کرام حضرت مصعب بن زبیرؓ کے عطا کردہ ان ہدایا اور تحائف کو قبول بھی کرلیا کرتے تھے، اور یہ ہدایا اور تحائف تراویح میں قرآن شریف سنانے کا عوض نہیں، بلکہ تکریماً وتعظیماً پیش کئے جاتے تھے، اس حقیقت کو مذکورہ روایت کے اس حصہ میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے، انا لم ندع قارئاً شریفاً الا قدوصل الیه منا معروف اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مصعب بن زبیرؓ تمام قرائے عظام کو ہدایا وتحائف بڑے اہتمام سے بھجواتے تھے اور وہ قرائے کرام ان کو قبول بھی فرماتے تھے اور ان ہدایا اور تحائف کا کوئی بھی تعلق تراویح کی نماز پڑھانے سے نہیں ہوتا تھا، حضرت مصعب بن زبیرؓ نے اپنے اسی مبارک معمول کے مطابق: فلما حضر رمضان ماہ رمضان کی آمد پر، نہ کہ تراویح میں قرآن مجید سنانے کے عوض، ماہ رمضان کے مصارف کے لئے دو ہزار درہم حضرت عمرو بن نعمان کی خدمت میں بھی بھیجے، مگر حضرت عمرو بن نعمان نے اس ہدیہ کو قبول نہیں فرمایا اور یہ کہتے ہوئے واپس کردیا کہ ہم نے قرآن کا علم دنیا کمانے کے لئے نہیں، بلکہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے حاصل کیا ہے، واللّٰہ ماقرأنا القرآن نرید به الدنیا کا نماز تراویح قرآن مجید سنانے سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ یہ ہدیہ قرآن سنانے سے پہلے رمضان کی آمد پر دیا گیا ہے، لہٰذا :واللّٰہ ماقرأنا القرآن نرید به الدنیا میں تراویح میں قرآن شریف پڑھنا مراد نہیں، اور اس روایت میں انا لم ندع قارئاً شریفاً الا قدوصل الیه منا معروف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدیہ کا تراویح میں قرآن سنانے سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ اگر اس ہدیہ کا تراویح میں قرآن سنانے سے کچھ تعلق ہوتا، تو حضرت مصعب بن زبیر صرف اسی حافظ کو ہدیہ دیتے جس کے پیچھے نماز تراویح پڑھی ہو، شہر کے تمام قرائے عظام کو نہ دیتے اور نہ ہی سب قراء کو ہدیہ دینے کا تذکرہ فرماتے اور حضرت عمرو بن نعمان کا ہدیہ واپس کرنا عزیمت پر عمل کرتے ہوئے تھا، ان کے اس عمل کی جتنی بھی ستائش کی جائے وہ کم ہے، اور عزیمت پر عمل کی ایسی مثالیں الحمدللہ ہر دور میں ملتی رہی ہیں اور ملتی رہیں گی اور ملتی رہنی چاہئے، مگر ان حضرات کے اس عمل کو حجت بنا کر حفاظ کرام کو دیے جانے والے ہدایا اور تحائف کو فتویٰ کی رو سے حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، فتویٰ کی رو سے حضرت مصعب بن زبیرؓ کا ہدیہ دینا بھی جائز تھا، تب ہی تو وہ دیتے تھے، اور قرائے عظام کا وہ ہدیہ قبول کرنا بھی جائز تھا، تب ہی تو وہ قبول کرتے تھے، اگر اس کا دینا جائز نہ ہوتا تو حضرت مصعب بن زبیرؓ ہدیہ دینے کی وجہ سے اور اس دور کے تمام قرائے عظام ان کے ہدیہ کو قبول کرنے کی وجہ سے گنہگار قرار پائیں گے۔ الآخذ والمعطی آثمان۔

یہ بھی بڑی عجیب وغریب اور حیرت انگیز بات ہے کہ قائلین عدم جواز مذکورہ روایات سے استدلال کرکے ایک طرف تو ان میں دیئے جانے والے ہدیہ کو قرآن پڑھنے کی اجرت اور اس کے ذریعہ دنیا کمانا قرار دے کر تراویح میں ختم قرآن کا تلاوت مجردہ ہونا ثابت کررہے ہیں، اور دوسری طرف وہ خود اس کو خالص ہدیہ قرار دے کر لینا دینا بلاشبہ جائز بھی کہتے ہیں، کیوں کہ ان روایات میں جس ہدیہ کا ذکر ہے وہ بغیر شرط وعرف کے دیا گیا ہے اور تراویح پڑھانے والے کو بغیر شرط وعرف کے دیا جانے والا ہدیہ لینا بالاتفاق جائز ہے، اس کے عدم جواز کا متقدمین ومتأخرین میں سے کوئی بھی قائل نہیں، یہ اجرت نہیں، بلکہ خالص ہدیہ ہے، عن ابی بن کعبؓ قال علمت رجلاً القرآن فاهدی الی قوسا فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال ان اخذتها اخذت قوسا من النار ، انتهی ... ثم ان ظاهره متروک عندنا وعنده فانه لو قبل الهدیة وکانت غیر مشروط لم یستحق هذا الوعید . (نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ ج۴/ص۱۳۷، کتاب الاجارۃ) حالاں کہ تلاوت مجردہ کی بنیاد پر دیا جانے والا ہدیہ

فقہاء کی تصریح کے مطابق اجرت کے درجہ میں ہوتا ہے، اس کا لینا دینا اجرت کی طرح ناجائز ہے، پس اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ تراویح میں ختم قرآن تلاوت مجردہ نہیں، ورنہ اس ہدیہ کا لینا دینا کسی صورت میں جائز نہ ہوتا، اور قرآن وحدیث میں قرآن مجید پڑھ کر معاوضہ اور اجرت لینے کو جو ناجائز کہا گیا ہے اس کا مصداق بقول متأخرین فقہاء کے تلاوت پر اصلاً اجرت لینا ہے، خواہ تلاوت مجردہ یا غیر مجردہ، البتہ تلاوت غیر مجردہ پر تبعاً اجرت لینا ممنوع نہیں، ورنہ تعلیم اور امامت مکتوبہ پر بھی اجرت لینا ناجائز ہوجائیگا۔

حاصل یہ کہ مذکورہ روایات سے نہ تو تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن کا تلاوت مجردہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی متأخرین فقہاء کے نزدیک امامت تراویح پر خواہ الم ترکیف سے ہو یا ختم قرآن کے ساتھ، اجرت لینے کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، جب فتویٰ متأخرین فقہاء کے قول پر ہے، تو ختم قرآن کا تلاوت مجردہ ہونا ان کے ہی کلام سے ثابت کرنا چاہئے، ورنہ متقدمین فقہاء واسلاف کے کلام سے تو تعلیم، اذان اور امامت وغیرہ سب پر اجرت لینے کا عدم جواز ہی ثابت ہوتا ہے، ان کے نزدیک تلاوت مجردہ وغیر مجردہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں تھا۔

مصنّف ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایات جس صفحہ پر ہیں، اسی کے بعد یہ روایت بھی موجود ہے: **ان سعید بن زبیرؓ قام بالناس فی رمضان فارسل الیه الحجاج ببرنس فقبله** ، حضرت سعید بن زبیرؓ نے لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی تو حجاج نے ان کی خدمت میں ایک پیرہن بھیجا، تو حضرت سعید بن زبیرؓ نے اسے قبول فرمالیا، اس روایت میں تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ دینے اور قبول کرنے کا صریح جواز موجود ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اگلی دو روایتوں میں ہدیہ واپس کردینا عزیمت پر عمل کرتے ہوئے تھا، اس روایت میں موجود لفظ برنس کا ترجمہ پیرہن سے کیا ہے، کیوں کہ برنس عربی زبان میں دو معنوں میں مستعمل ہے: (۱) وہ لمبی ٹوپی جو عرب میں پہنی جاتی تھی۔ (۲) وہ لباس جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دے۔ (مصباح اللغات) اور یہاں ہدیہ دینے والا حاکم یعنی حجاج ہے، اس لئے دوسرے معنی ہی زیادہ موزوں ہیں، مذکورہ تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ تراویح پڑھانے والے کو بطور اعزاز واکرام یا مجازاۃ الاحسان بالاحسان یا اعانت وخدمت کے ہدیہ دینا جائز ہے، بلکہ دینا چاہئے، یہ شرعاً مندوب ہے اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ اور عمرو بن نعمان کا ہدیہ واپس کردینے کا واقعہ زہد وتقویٰ کے بیان میں لکھنا اور اس کا سنانا یقیناً مفید ثابت ہوسکتا ہے، لیکن فتویٰ کی رو سے اس واقعہ سے عدم جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

امامت پر اجرت لینے کا جواز حاجت عامہ کی بنیاد پر ہے

متأخرین فقہاء نے سب سے پہلے صرف تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی اجازت حاجت عامہ کی وجہ سے دی تھی اور حاجت عامہ یہ تھی کہ بیت المال سے وظائف بند ہوگئے، اور متعلمین کی طرف سے مجازاۃ الاحسان بالاحسان عموماً مفقود ہوگیا، تو خدام دین اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے کسب معاش پر مجبور ہوگئے، جس کی وجہ سے حسبۃً للہ تعلیم دینے والے کم ہوگئے، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **واما الیوم فذهب ذلک کله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل مایعلم حسبةً ولایتفرغون له ایضاً فان حاجتهم تمنعهم من ذلک ، فلولم یفتح لهم باب التعلیم بالاجر لذهب القرآن فأفتوا بجوازه لذلک** . (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۶۱) پھر اس کے بعد فقہاء نے تعلیم فقہ، اذان وامامت وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ لاحق کرکے ان پر بھی اجرت لینے کی اجازت دے دی، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **وبعض المتون الحقوا بتعلیم القرآن تعلیم الفقه والاذان والامامة وعلل الشراح ذلک بالضرورة وحاجة المسلمین لعدم من یقوم بذلک تبرعاً فی زماننا لانقطاع ماکان لهم فی زمان المتقدمین** . (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۸۳) **لان المعلمین کان لهم عطایا من بیت المال ثم**

انقطعت فاذا لم يأخذوا الاجرة لايشتغلون بالتعليم والاذان والامامة فيلزم ضياع الدين فأفتىٰ المتأخرون بجواز الاستيجار لهذه الضرورة . (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۳۱۵)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو تعلیم ،اذان وامامت کی ضرورت ہے اوراب تبرعاً یہ خدمات انجام دینے والے باقی نہیں رہے،اس لئے ان عمومی حالات کے پیش نظر تعلیم ،اذان وامامت پر مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ متأخرین فقہاء نے دے دیا ہے،اورحاجت عامہ کی وجہ سے جس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے اس کا جواز اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ حاجت عامہ باقی رہے،اس میں انفرادی اور شخصی ضرورت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، چنانچہ کسی شخص کی مالی حالت اچھی ہے،اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے تنخواہ کی ضرورت نہیں،اس کے باوجود اگر یہ شخص تنخواہ لے کر تعلیم دے یا امامت کرے،تو بلاشبہ یہ جائز ہے،اوراس کو مدرس اورامام رکھنا بھی جائز ہے،حالاں کہ مذکور شخص کے حق میں تعلیم یا امامت پر اجرت لینے کی وہ حقیقی ضرورت متحقق نہیں،جس کی وجہ سے اجرت لینے کی اجازت دی گئی ہے:فلو اشتغلوا بالتعليم بلااجر مع الحاجة الى المعاش لضاعوا و تعطلت المصالح فقلنا بماقالوا . (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۵۸)

اسی طرح یہ بھی شرط نہیں کہ تلاش سے تبرعاً تعلیم دینے والا ،اذان دینے والا اورامامت کرنے والا نہ ملے تو ہی اجرت پر مدرس،مؤذن اورامام رکھ سکتے ہیں، بلکہ بلاجستجو کے اجرت پر مدرس،مؤذن اورامام رکھنا جائز ہے،خواہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ سے امامت کرنے والے کو معمولی تنخواہ دے کر اجرت پر رکھا جائے یا متقی ،خوش الحان ،قرأت مسنونہ اورنماز کے آداب وسنن کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھانے والے کو زیادہ تنخواہ دے کر رکھا جائے، کیوں کہ حاجت عامہ کی وجہ سے امامت پر اجرت لینے اوردینے کے جواز کا فتویٰ ہے،تو کیوں ایسے امام کو نہ رکھا جائے جو نماز کو مسنون اوراحسن طریقہ سے پڑھانے والا ہو،اورامامت مکتوبہ پر مطلقاً اجرت لینے کا جواز سبھی حضرات کے نزدیک مسلّم ہے،اوراس پر عمل بھی ہے،یہی حال امامت تراویح کا ہے،تراویح پڑھانے کے لئے حافظ یا غیر حافظ کسی کو بھی اجرت پر رکھ سکتے ہیں، یہ شرط نہیں کہ بغیر اجرت کے الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والا نہ ملے،تو ہی صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے کو اجرت پر رکھ سکتے ہیں،اورحافظ کو تو اجرت پر کسی حال میں بھی نہیں رکھ سکتے ہیں،یہی وجہ ہے کہ متأخرین فقہاء نے تعلیم ،اذان اورامامت پر مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کی اجازت دے دی ہے،اور مذکورہ باتوں کا شرط ہونا کسی بھی فقیہ نے بیان نہیں کیا ہے،نہ تعلیم ،اذان اورفرض نمازوں کی امامت کے بارے میں اورنہ ہی تراویح کی امامت کے بارے میں،لہٰذا مذکورہ باتوں کو شرط قرار دینا بلا دلیل ہے،وقصره على بعض مدلولاته من غير دليل لايجوز ، جب فقہاء نے اذان وامامت پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ہی اسی لئے دیا تھا کہ بیت المال سے وظائف بند ہوجانے کی وجہ سے ان کے زمانے میں تبرعاً یہ خدمات انجام دینے والے باقی نہیں رہے،تو کیا فقہاء یہ شرط لگا سکتے ہیں کہ مفت تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو ہی صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے کو اجرت پر رکھ سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

سابق میں مدلل ثابت کیا جاچکا ہے کہ جماعت تراویح ضروریات دین اورشعائر میں سے ہے،اسی لئے فقہاء نے اس کے تحفظ کے لئے امامت تراویح پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے،اورتراویح ختم قرآن کے ساتھ پڑھنا، پڑھانا خیرالقرون اورصحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک اسلاف کا متوارث عمل ہے، اور چاروں مذاہب کے علماء،فقہاء،محدثین اورمشائخ اس پر دل وجان سے عامل اور متفق ہیں ،اور بقول بعض فقہاء تراویح ختم قرآن کے لئے ہی مشروع ہوئی ہے اورمساجد میں جماعت تراویح کے قیام کی علت اورمقصد بھی یہ ہے کہ لوگ تراویح میں پورا قرآن مجید سن سکیں، جیسا کہ اس سلسلہ کی عبارتیں صفحہ ۸ اور ۹ پر گزر چکی ہیں،لہٰذا اصل یہ ہے کہ ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھائی جائے ،یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی کاہلی کی وجہ سے بلاختم قرآن کے تراویح پڑھانے سے عام حالات میں فقہاء نے منع فرمایا ہے وان كسل القوم من استماع القران مع القدرة عليه

اساء وا ولایترک الختم لکسل القوم (رسائل الارکان ص:۱۳۹)

بلاختم قرآن کے تراویح پڑھانے کی اجازت فقہاء نے ایک عارض کی وجہ سے مجبوراً دی ہے اور عارض یہ ہے کہ لوگوں میں غیر معمولی کاہلی اور بے رغبتی ہو جس کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ تراویح ختم قرآن کے ساتھ پڑھانے کی صورت میں لوگ جماعت تراویح یا نفس تراویح کو ہی ترک کردیں گے، تو صرف اس صورت میں أهون البليتين کو اختیار کرنے کے پیش نظر بلاختم قرآن کے تراویح پڑھانے کی اجازت دی ہے، پس ظاہر ہے کہ متأخرین فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے جس امامت تراویح پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے، اس سے وہ ہی امامت تراویح مراد ہوگی جو اصل اور اسلاف کا متوارث عمل ہے، نہ کہ وہ امامت تراویح جو عارضی ہے اور جس کی کاہلوں اور غافلوں کی وجہ سے مجبوراً اجازت دی گئی ہے، مستثنیٰ امامت میں ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح اصلاً اور اوّلاً داخل ہے، اور بلاختم قرآن کے امامت تراویح عارضی طور پر اور ثانیاً داخل ہے۔

امامت پر اجرت لینے کا عدمِ جواز اس کے طاعت ہونے کی وجہ سے تھا، اس لئے نہیں تھا کہ اس میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے، چنانچہ اذان پر بھی اجرت لینا ناجائز تھا، حالاں کہ اس میں قرآن نہیں پڑھا جاتا ہے، اسی لئے فقہاء اس مسئلہ کو استیجار علی الطاعۃ کے عنوان سے بیان فرماتے ہیں،

الاجارة علی تعلیم القرآن انما لم یجز لان تعلیم القرآن طاعة (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱۵/ص۱۳۴)

اور جب ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح پر اور الم ترکیف سے امامت تراویح پر اجرت لینے میں یکساں محظور لازم آتا ہے یعنی طاعت پر اجرت لینا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ عارضی اور مجبوری کی امامت پر تو اجرت لینا جائز ہو اور اصلی ومتوارث امامت تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہو؟ یہ نا قابلِ فہم بات ہے، حالاں کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ جب محظور دونوں صورتوں میں یکساں لازم آتا ہے تو اصلی اور متوارث امامت تراویح پر اجرت لینے کی اجازت ہو، تاکہ جماعت تراویح جو ضروریاتِ دین اور شعائر میں سے ہے اس کا تحفظ احسن طریقہ سے ہو اور اگر کوئی عارض اور مجبوری ہو تو پھر کم از کم غیر مستحسن طریقہ سے ہی سہی، لیکن جماعت تراویح کا قیام اور تحفظ ضروری ہے، اس لئے بلاختم قرآن کے امامت تراویح پر بھی اجرت لینا جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ متأخرین فقہاء نے امامت پر مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔

لمحۂ فکریہ

قائلین جواز وعدم جواز کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ متأخرین فقہاء نے حاجت عامہ کی وجہ سے ہی تعلیم، اذان اور امامت پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور امامت تراویح کے بارے میں عقلی طور پر صرف تین ہی احتمال ہیں: (۱) امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں مطلقاً داخل نہیں ہے، خواہ امامت الم ترکیف سے ہو یا ختم قرآن کے ساتھ۔ (۲) امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں مطلقاً داخل ہے۔ (۳) امامت تراویح کی بعض صورتیں مستثنیٰ امامت میں داخل ہیں اور بعض صورتیں داخل نہیں، یعنی مفت تراویح پڑھانے والا نہ ملے تو ہی صرف الم ترکیف سے امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل ہے، ورنہ نہیں، یا الم ترکیف سے تو امامت تراویح مطلقاً داخل ہے، مفت نہ ملنے کی شرط نہیں، لیکن ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح مطلقاً داخل نہیں۔

ان تینوں احتمالوں میں سے پہلا احتمال تو مراد نہیں ہوسکتا، **اوّلاً** تو اس لئے کہ سابق میں مدلل ثابت کیا جاچکا ہے کہ امامت تراویح مستثنیٰ امامت میں داخل ہے، **ثانیاً** اس لئے کہ قائلین عدم جواز میں سے اکثر بعض صورتوں میں امامت تراویح کو مستثنیٰ امامت میں داخل مانتے ہیں، لہٰذا مطلقاً عدم دخول کی بات درست نہیں، **ثالثاً** اس لئے کہ بالفرض اگر مفت الم ترکیف سے بھی تراویح پڑھانے والا نہ ملے، تو پھر مسجد میں جماعت تراویح کا قیام بالکلیہ ترک کرنا اور

بلا جماعت کے تنہا تنہا تراویح پڑھنا جائز ہونا چاہئے، حالاں کہ فقہاء اس صورت میں سب کو بغیر کسی تفصیل کے گنہگار ٹھہراتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ پہلا احتمال مراد نہیں۔ اور تیسرا احتمال بھی مراد نہیں ہوسکتا ہے، **اوّلاً** تو اس لئے کہ اگر واقع میں یہ تفصیل صحیح اور ملحوظ ہوتی، تو ضرور خود فقہاء یہ تفصیل بیان فرما دیتے، امامت کا مطلقاً بلا تفصیل استثناء کر کے اس کو مبہم و مجمل رکھ کر اس کی تفصیل کی ذمہ داری ہم جیسوں پر نہ ڈالتے، **ثانیاً** اس لئے کہ فقہاء نے (**ویفتی الیوم بالجواز**) **أی بجواز أخذ الأجرة علی الامامة و تعلیم القرآن والفقه والأذان کما فی المعتبرات.** (مجمع الانہر ج۳ص۴۱۸)

اس عبارت میں فقہاء نے تعلیم قرآن وفقہ، اذان اور امامت پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ایک ہی طرز پر دیا ہے، اور مستثنیٰ طاعات کے درمیان کسی قسم کا کوئی بھی فرق کہیں بیان نہیں کیا ہے، لہٰذا اگر تفصیل ہوگی تو سب میں ہوگی، یا پھر کسی میں بھی نہیں ہوگی، اگر کوئی بعض میں مطلقاً جواز کا قائل ہے اور بعض میں تفصیل کا قائل ہے، تو یہ نادرست ہوگا، اور سب کے نزدیک تعلیم قرآن وفقہ اور امامت مکتوبہ کا استثناء مطلقاً بلا تفصیل کے مسلّم ہے، اسی لئے ان میں کوئی بھی مفت نہ ملنے کی شرط نہیں لگاتا ہے، اور نہ ہی مفت کا معلم، مؤذن اور امام تلاش کیا جاتا ہے، اور دوسری بھی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ امامت تراویح کا استثناء مطلقاً بلا تفصیل کے تسلیم نہیں؟ اور کس دلیل کی بنیاد پر صرف امامت تراویح میں تفصیل بیان کی جارہی ہے؟ جب کہ فقہاء نے اصل علت کے تمام مستثنیٰ طاعات میں یکساں طور پر پائے جانے کی وجہ سے سب کا استثناء ایک ہی طرز اور انداز پر کیا ہے، اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی بھی فرق بیان نہیں کیا ہے، پس معلوم ہوا کہ دوسرا احتمال ہی فقہاء کی مراد ہے، اور یہی فقہی اعتبار سے صحیح اور درست ہے، ورنہ فقہاء تعلیم، اذان اور امامت کے بارے میں بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کی صراحت فرماتے، اور اس قید کو ملحوظ رکھ کر مختلف صورتوں کا حکم اگر مفصلاً نہیں، تو مختصراً بھی ضرور بیان فرماتے۔

ایک چشم کشا اور مبنی بر حقیقت فتویٰ

فتاویٰ فریدیہ میں ہے: حافظ کا ختم تراویح میں رقم اور اجرت لینا اجرت علی الامامۃ ہے، علی التلاوۃ نہیں۔

سوال: حفاظ تراویح میں ختم کرنے کے بعد جو رقم وغیرہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: فقہائے کرام نے تلاوت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن ہمارے بلاد میں حفاظ تلاوت بھی کرتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، تو ان رقوم کو صرف تلاوت کا معاوضہ ٹھہرانا اور امامت سے خاموش رہنا بلاوجہ ہے اور اگر صرف تلاوت کو ملحوظ رکھا جائے تو تلاوت سے کوئی تراویح خالی نہیں، تو مطلق تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہوگا، بہر حال حافظ کی اس رقم پر انکار کرنا ہندی مسئلہ ہے، حنفی نہیں ہے، یہ اجرت علی الامامۃ ہے، نہ علی محض التلاوۃ۔ (فتاویٰ فریدیہ ج۱ص۶۰۷، مسائل شتی، بحوالہ فتاوی دار العلوم زکریا ج۲ص۵۳۰)

اختلاف محض دلائل کی بنیاد پر ہے

واضح رہے کہ اجرت تراویح کے جواز وعدم جواز کا اختلاف محض دلائل کی بنیاد پر ہے، قائلین عدم جواز دلائل کی بنیاد پر ہی متأخرین فقہاء کے نزدیک اس کا عدم جواز ثابت کرتے ہیں، محض احتیاطاً یا سداً للباب اس کے عدم جواز کے قائل نہیں، لہٰذا اس کا عدم جواز کتب فقہ کے حوالہ سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اس موقع پر اگر کوئی شخص احتیاطاً یا سداً للباب عدم جواز کی بات کہے تو درست نہ ہوگی، کیوں کہ جواز وعدم جواز کا اختلاف محض دلائل کی بنیاد پر ہے، نہ کہ احتیاط یا سدّ باب کی وجہ سے، نیز احتیاطاً یا سداً للباب عدم جواز کا قول بھی محتاج دلیل ہے، اس کو بھی فقہی عبارات سے ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، اگر اس مسئلہ میں احتیاطاً یا سداً

للباب عدم جواز کا فتویٰ دینے کی واقعی ضرورت ہوتی تو خود فقہاء اس کے عدم جواز کا فتویٰ دے دیتے، جب انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے، تو اب ہمیں ان سے زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت نہیں، پس معلوم ہوا کہ متأخرین فقہاء نے اجرت تراویح کو نہ تو دلائل کی بنیاد پر ناجائز کہا ہے اور نہ ہی احتیاطاً یا سداً للباب اس کو ناجائز قرار دیا ہے، پھر اس کے باوجود اس کو کس بنیاد پر حرام کہا جارہا ہے؟ بنظر انصاف دلائل میں غور کرنے والے طالب تحقیق کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔

اختلافی مسائل میں درست موقف جاننے کا طریقہ

ہدایہ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ اختلافی مسائل میں درست موقف جاننے کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ فریقین میں سے کونسا فریق مدعی ہے، اور کونسا فریق منکر ہے، پھر مدعی فریق کا دعویٰ ان کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کو دقت نظر سے دیکھا جائے، اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ جیسا دعویٰ ہو ویسی دلیل بھی ہو، یعنی دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہو، اور اگر دعویٰ مقید ہو تو دلیل بھی ایسی ہو جو مقید دعویٰ کو ثابت کردے، اس اعتبار سے اگر مدعی فریق کا دعویٰ ان کے دلائل سے ثابت ہوجاتا ہے تو بلاشبہ یہ موقف درست ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر فریق مخالف کا موقف درست ہے، اور جو موقف درست ہوتا ہے اس پر نصوص شرعیہ وفقہیہ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس موقف کے اعتبار سے نصوص شرعیہ وفقہیہ میں آپس میں کوئی تعارض پیدا ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسے اختلافی مسائل میں فریقین کے دلائل دیکھنے والا حیرت کی انتہاء کو پہونچ جاتا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ کبھی مدعی فریق دعویٰ تو عام کرتا ہے، مگر دلیل خاص پیش کرتا ہے، اور کبھی دعویٰ مقید کرتا ہے اور دلیل مطلق پیش کرتا ہے یا دلیل میں محتمل کلام پیش کرتا ہے، اور کبھی تو مدعی خود منکر سے دلیل کا مطالبہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور کہیں کہیں تو ایسا محسوس کرتا ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی کہے جارہا ہے، کوئی کسی کی سنتا نہیں، حالاں کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر فریق دوسرے فریق کی مکمل بات سمجھ کر اور اس کے دلائل ووجہ استدلال کو ملحوظ رکھ کر ہی اپنی بات اور اپنے موقف کے دلائل پیش کرے، اور فریق مخالف کے دلائل کا رد کرے، بعض اوقات ایک فریق اپنے مدعیٰ کے اثبات کے لئے وہی دلائل پیش کرتا رہتا ہے، جن سے مدعیٰ کا ثابت نہ ہونا دوسرے فریق نے مدلل ومفصل کلام کرکے واضح کردیا ہوتا ہے، اس طرح علمی بحث ومباحثہ لاحاصل ہوجاتا ہے، مگر فریقین کے دلائل بنظر انصاف ملاحظہ فرمانے والے اہل علم تو فوراً سمجھ لیتے ہیں کہ دلائل کی روشنی میں کس فریق کا موقف درست ہے۔

اختلافی مسائل میں صحیح موقف جاننے کا جو طریقہ اوپر ذکر کیا گیا، اس کی روشنی میں اجرت تراویح کے اختلافی مسئلہ میں غور کرتے ہیں! اجرت تراویح کے جواز وعدم جواز کے بارے میں جو اختلاف ہے، اس میں قائلین عدم جواز مدعی ہیں، اور قائلین جواز منکر ہیں، اگرچہ بظاہر قائلین جواز، جواز کے مدعی ہیں اور قائلین عدم جواز، جواز کے منکر ہیں، لیکن درحقیقت قائلین عدم جواز، مدعی ہیں، کیوں کہ اجرت تراویح کا عدم جواز تین باتوں کے ثبوت پر موقوف ہے اور وہ ان کے مدعی ہیں اور قائلین جواز ان کے منکر ہیں۔

(۱) پہلا دعویٰ یہ ہے کہ مستثنیٰ مطلق امامت، امامت مکتوبہ کے ساتھ مقید ہے، لیکن یہ دعویٰ کسی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، اس لئے وہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یہ تقریر فرماتے ہیں ''فقہاء نے امامت پر اجرت دینے ولینے کی اجازت ضرورت کی وجہ سے دی ہے اور امامت تراویح کے لئے اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والے مل جاتے ہیں'' لیکن یہ تقریر فقہی اعتبار سے درست نہیں اور وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے جس ضرورت کی وجہ سے امامت اور مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے، اس کی وضاحت کتب فقہ میں موجود ہے

اوروہ یہ ہے کہ بیت المال سے وظائف بند ہوگئے، جس کی وجہ سے تبرعاً دینی خدمات انجام دینے کا جذبہ کم یا ختم ہوگیا، اس لئے امامت جوشعائر میں سے ہے، اس کے ضیاع کا خطرہ لاحق ہوگیا، اس ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے امامت پر اجرت لینے کی بلا کسی شرط کے اجازت دی ہے، اوراس ضرورت کو مطلقاً بغیر کسی شرط کے جب تک بیت المال سے خدام دین کو وظائف ملنے کا نظام بحال نہ ہوجائے، تب تک کے لئے تسلیم کرلیا ہے، اور جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، اس لئے اب ہمیں اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اس امامت پر جوشعائر میں سے ہے، اس میں بھی اجرت لینے کی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ یہ تحقیق فقہاء فرما چکے ہیں، اوراس پر اجرت لینے کی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے، اب ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ بیت المال سے خدام دین کو وظائف ملنے کا نظام بحال نہ ہوجائے، تب تک مستثنیٰ طاعات پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ جو فقہاء نے دیا ہے وہی دیتے رہیں، **ألاترىٰ لوانتظم بيت المال ووصل المعلمون الىٰ حقوقهم يرجع المتأخرون الىٰ أصل المذهب لعدم العلة التى اقتضت مخالفتهم له وهى الضرورة ويصير بطلان الاستيجار علىٰ جميع الطاعات متفقاً عليه بين أهل المذهب جميعاً.** (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۹۰)

اور یہ ضرورت وعلت امامت مکتوبہ کی طرح امامت تراویح میں بھی مکمل موجود ہے، کیوں کہ جماعت تراویح شعائر میں سے ہے اور قائلین عدم جواز بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، اور مفت نہ ملنے کی شرط نہ تو فقہاء نے لگائی ہے اور نہ ہی یہ شرط فقہاء کی بیان کردہ ضرورت کے مفہوم میں داخل ہے، بلکہ فقہاء نے تو یہ وضاحت فرمائی ہے کہ دینی خدمات تبرعاً انجام دینے والے باقی نہیں رہے، اسی لئے چند طاعات پر اجرت لینے کی اجازت دی گئی ہے، تو کیا فقہاء یہ شرط لگا سکتے ہیں؟۔

فقہاء نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ امامت پر اجرت لینے کی اجازت اس کے شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے ہی دی ہے، لہٰذا اجرت تراویح کے عدم جواز کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قائلین عدم جواز جماعت تراویح کا شعائر میں سے نہ ہونا فقہی عبارات سے ثابت کردیں، اور وہ اس کو ثابت نہیں کرسکتے ہیں، کیوں کہ ماقبل میں اس کا شعائر میں سے ہونا مدلل ثابت کیا جاچکا ہے۔

(۲) دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ تراویح میں ختم قرآن تلاوت مجردہ ہے، لیکن انہوں نے متأخرین فقہاء کے کلام سے اس کا تلاوت مجردہ ہونا، نہ تو ثابت کیا ہے اور نہ ہی ثابت کرسکتے ہیں، اوراس کو تلاوت مجردہ کہنا فقہی، بلکہ لغوی اعتبار سے بھی درست نہیں، یہ تلاوت، مجرد کہاں ہے؟ یہ تو نماز تراویح کے ضمن میں ہے، اسی لئے انہوں نے ختم قرآن کو تلاوت مجردہ فرض کرکے، تلاوت مجردہ پر اجرت لینے کی جو وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئیں ہیں، وہ سب وعیدیں ختم قرآن کے لئے ثابت کردی ہیں، حالاں کہ صرف ان وعیدوں کو بیان کرنے سے ختم قرآن کا تلاوت مجردہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ پہلے متأخرین فقہاء کے کلام سے، جن کے قول پر فتویٰ ہے، ختم قرآن کو تلاوت مجردہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے، اوراس کا ثبوت مشکل ہے، کیوں کہ یہ تلاوت مجردہ ہے ہی نہیں، کما مر۔

(۳) تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے میں مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہوتا ہے، لہٰذا تراویح میں ختم قرآن، تلاوت مجردہ ہے، اور یہ اجارہ تلاوت مجردہ کے لئے ہے، لیکن یہ دعویٰ بھی فقہی اعتبار سے ثابت نہیں، کیوں کہ ختم قرآن تراویح کی ضمنی وتبعی سنت ہے، اور نماز تراویح مقصود اصلی اور مستقل بالذات سنت ہے اور ختم قرآن تراویح کی سنت ہونے کی وجہ سے ہی مقصود ہے، مستقل بالذات نہیں، اسی لئے فقہاء نے ترک جماعت یا ترک تراویح کے اندیشہ کے وقت ختم قرآن کی سنت ترک کردینے کی اجازت دی ہے، لیکن نماز تراویح کے ترک کرنے کی اجازت

نہیں دی ہے، نیز ختم قرآن نہ کرنا ہوتو بھی امام متعین کرکے تراویح پڑھتے ہیں، اور جن کو تراویح نہ پڑھنی ہو وہ کبھی کسی حافظ کو بلا کر ختم قرآن نہیں کرواتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ مقصود اصلی تو نماز تراویح ہی ہے، اور ختم قرآن مقصود ضمنی وتبعی ہے، اور اجارہ مقصود اصلی کے لئے ہوتا، نہ کہ مقصود ضمنی وتبعی کے لئے، کیوں کہ فقہی قاعدہ ہے: **لأن التابع للشيء في الوجود تابع له في الحكم** ۔(شرح المجلہ لرستم، المادۃ: ۴۷، ص/۳۹) **التابع لا يفرد له بالحكم**۔(حوالہ بالا، المادۃ: ۴۸)

حاصل یہ کہ اجرت تراویح کے جواز وعدم جواز کے مسئلہ میں قائلین عدم جواز مدعی ہیں، کیوں کہ عدم جواز کا ثبوت مذکورہ دعووں کے ثابت ہونے پر موقوف ہے، لہٰذا ان دعووں کے اثبات کی تمام تر ذمہ داری قائلین عدم جواز پر عائد ہوتی ہے، قائلین جواز تو منکر ہیں، وہ مستثنیٰ امامت کے امامت مکتوبہ کے ساتھ مقید ہونے کا انکار کرتے ہیں، تراویح میں ختم قرآن کے تلاوت مجردہ ہونے کا انکار کرتے ہیں، اور تراویح میں ختم قرآن کے مقصود اصلی ہونے کا انکار کرتے ہیں، اس لئے ان کی طرف سے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اجرت تراویح کا عدم جواز مذکورہ دعووں کے ثابت ہونے پر موقوف ہے اور مذکورہ دعوے کسی بھی فقہی عبارت سے ثابت نہیں، لہٰذا اجرت تراویح کا جواز خود بخود ثابت ہوگیا، بلکہ وہ تو اس حیرت میں غرق ہیں کہ یہ کوئی جدید مسئلہ نہیں، صدیوں پرانا مسئلہ ہے، اور اس کی تمام تر تفصیلات لکھ کر فقہاء فارغ ہو چکے ہیں، اور وہ کتب فقہ میں موجود ہیں، بالفرض اگر قائلین عدم جواز کے دعوے درست ہیں، تو کسی فقہی عبارت سے کیوں ثابت نہیں؟ اور متأخرین فقہاء سے امامت تراویح کے لئے اجارہ کے عدم جواز کی صراحت کیوں منقول نہیں؟ محض اتنی ہی بات سے فریقین کے دلائل میں بنظر انصاف غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ صحیح حقیقت کیا ہے؟ اور درست موقف کونسا ہے؟

فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ اجرت تراویح جیسے قدیم مسائل میں مقلد کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ہر بات کی تائید میں معتبر کتابوں کے حوالہ سے صریح جزئیہ یا عبارت پیش کرے، اس کے بغیر اس کی بات اور فتویٰ معتبر نہیں، قائلین جواز نے اپنے موقف پر صریح عبارت پیش کردی ہے، **(ويفتى اليوم بالجواز)أي بجواز أخذ الأجرة على الامامة و تعليم القرآن والفقه والأذان كما في المعتبرات.** (مجمع الانہر ج/۳، ص/۴۱۸)

یہ بات تو مسلّم ہے کہ فقہاء نے امامت پر اجرت لینے کی اجازت اس کے شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے دی ہے، اور جماعت مکتوبہ کی طرح جماعت تراویح بھی شعائر میں سے ہے، لہٰذا اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اس امامت پر اجرت لینے کی مطلقاً اجازت ہے، جو شعائر میں سے ہے، خواہ امامت مکتوبہ ہو یا امامت تراویح، اور اس امامت کا امامت مکتوبہ کے ساتھ مقید ہونا یا اجرت کا جواز مفت نہ ملنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہونا یا صرف الم ترکیف سے امامت تراویح کے ساتھ مخصوص ہونا، کسی بھی فقہی عبارت سے ثابت نہیں۔

اجرت تراویح کے مسئلہ میں قائلین عدم جواز مندرجہ ذیل تفصیل بیان کرتے ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ امامت، امامت مکتوبہ کے ساتھ ہی مقید ہے، اس میں امامت تراویح مطلقاً داخل نہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ امامت میں امامت تراویح داخل ہے جب کہ مفت الم ترکیف سے تراویح پڑھانے والا نہ ملے، اور اگر ملے تو داخل نہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ امامت میں الم ترکیف سے امامت تراویح تو مطلقاً داخل ہے، مفت نہ ملنے کی شرط نہیں، اور ختم قرآن کے ساتھ امامت تراویح مطلقاً داخل نہیں، نیز تراویح میں ختم قرآن تلاوت مجردہ ہے، اور حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے بلانے میں مقصود اصلی ختم قرآن ہی ہوتا ہے، تراویح نہیں، لہٰذا حافظ کو تراویح کے لئے اجرت پر رکھنا مطلقاً جائز نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کتب فقہ میں کوئی ایسا بھی قدیم مسئلہ ہے جس میں فقہاء نے اپنے زمانہ میں ضرورت کی وجہ سے مطلقاً جواز کا فتویٰ دیا ہو، حالاں کہ اس میں تفصیل ہو، بعض صورتوں میں جواز کا حکم ہو اور بعض صورتوں میں عدم جواز کا حکم ہو، اس کے باوجود فتویٰ دینے والے فقہاء اور ان کے

بعد کے فقہاءاور مشائخ نے اس کے بارے میں کوئی وضاحت نہ کی ہو، کہ کس صورت میں جواز کا حکم ہےاور کس صورت میں عدم جواز کا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا مشکل ہے، بلکہ فقہاء کی تو یہ عادت شریفہ رہی ہے کہ وہ التزاماً عمومی حکم سے مستثنیٰ صورتوں کی صراحت اور وضاحت فرماتے ہیں، مگر حیرت ہوتی کہ قائلین عدم جواز کی بیان کردہ تفصیل کسی فقیہ نے کیوں بیان نہیں فرمائی ہے؟ اس سے پتہ چلا کہ مذکورہ تفصیلات کو عبارات فقہیہ میں وارد کسی مطلق یا مجمل لفظ کی تفصیل قرار دیکر لاحق کر دینا۔ تأويل القول بما لايرضٰى به القائل کا مصداق ہے۔

اجرت اور خدمت میں فرق

تراویح پڑھانے والوں کو عموماً لوگ جو نذرانہ دیتے ہیں اس کو اجرت قرار دینا درست نہیں، اجرت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کام کی معاملہ کے وقت طرفین کی طرف سے طے کی جائے یا عرف میں اس کی اجرت طے ہو یا بطور اجرت کے دینے کا رواج ہو، تو یہ بھی طے شدہ اجرت کے حکم میں ہے، فقہاء کے قول المعروف كالمشروط کا یہی مطلب ہے، عصر حاضر میں تراویح پڑھانے کی پہلے سے اجرت عموماً نہ تو طے کی جاتی ہے اور نہ ہی عرف میں اس کی کوئی اجرت طے ہے، بلکہ عرف میں اس کو اجارہ کا معاملہ ہی نہیں سمجھا جاتا ہے، محض اس بنیاد پر کہ لوگ کئی مقامات پر تراویح پڑھانے والوں کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں، اس کو المعروف كالمشروط کے ضابطہ سے اجرت قرار دے دینا درست نہیں، اس ضابطہ سے کسی بھی لین دین کو اجرت قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ لینا دینا بطور معاوضہ اور اجرت کے معروف ہو یا اس کے اجرت نہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو، تب ہی اس کو اس ضابطہ سے اجرت قرار دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ جلسوں اور مسابقات القرآن میں تلاوت کرنے والوں کو ہدیہ دینے کا عرفِ عام ہونے کے باوجود تلاوتِ مجردہ پر اس لین دین کے بارے میں کوئی یہ تصور نہیں کرتا کہ یہ المعروف كالمشروط کے ضابطہ سے اجرتِ تلاوت ہے اور حرام ہے، جس طرح یہ ہدیہ تلاوت کے بالمقابل اور بطور اجرت کے نہیں، بلکہ حوصلہ افزائی، انعام اور اخلاقی تقاضوں کے پیشِ نظر ہے، اسی طرح حفاظ کرام کو دیئے جانے والے ہدایا ختم قرآن کی اجرت نہیں، بلکہ اعزاز و اکرام، قدردانی، مجازاۃ الاحسان بالاحسان اور خدمت و اعانت کے طور پر اپنی سعادت سمجھ کر اور اخلاقی تقاضوں کے پیشِ نظر ہیں، اور اس کا مظاہرہ صرف ختم تراویح کے موقع پر ہدیہ دے کر ہی نہیں، بلکہ پہلی رمضان سے ہی کھلانے، پلانے اور اپنی ہر ادا سے کرتے ہیں، اور یہ اعزاز و اکرام کیوں نہ ہو؟ جب کہ حدیث شریف میں ہے ''أكرموا حملة القرآن فان من أكرمهم فقد أكرمنى'' اور یہ طریقہ تو متقدمین کے زمانہ سے جاری ہے، جس کا ثبوت روایات اور فقہی عبارات سے ملتا ہے۔

اگر آپ نے کبھی کسی حافظ کو ہدیہ دیا ہے، تو دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ کس نیت سے دیا تھا؟ کیا ختم قرآن کی اجرت سمجھ کر دیا تھا؟ اور اگر ابھی تک کسی حافظ کو آپ نے ہدیہ نہیں دیا ہے، تو بالفرض اگر آپ آئندہ کسی حافظ کو ہدیہ دیں، تو کیا ختم قرآن کی اجرت سمجھ کر دیں گے؟ ظاہر ہے کہ آپ نے کبھی اس نیت سے کسی حافظ کو نہ ہدیہ دیا ہوگا، نہ دیں گے اور نہ دے سکتے ہیں، اسی طرح کوئی بھی صاحبِ ایمان اس نیت سے نہ ہدیہ دیتا ہے اور نہ ہی دے سکتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ لوگ معاوضہ کی نیت سے ہی دیتے ہیں، بہت بڑی بات ہے۔ كان لهم عطيات فى بيت المال و افتقاد من المتعلمين فى مجازاة الاحسان بالاحسان من غير شرط مروأة يعينونهم على معاشهم و معادهم. (رسائل ابن عابدین شامی ج ۱/ص ۱۶۰)

متقدمین فقہاء کے نزدیک تمام طاعات پر اجرت لینا ناجائز تھا اور وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں خدام دین کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان من غیر شرط کا عرف تھا اور یہ عرف بطور مروّت خدام دین کی خدمت واعانت کے لئے تھا، لیکن اس مجازاۃ کے عرف کو دیکھ کر المعروف كالمشروط کے ضابطہ سے اس کو اجرت قرار دے دینا درست نہیں، کیوں کہ لین دین کا عرف کبھی تو بطور معاوضہ واجرت کے

ہوتا ہے اور کبھی بطور مجازاۃ اور خدمت واعانت کے ہوتا ہے اور یہ شرعاً پسندیدہ اور عمدہ وصف ہے، **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** ، پس معلوم ہوا کہ ہر معروف مشروط کے درجہ میں نہیں ہوتا، ورنہ مذکورہ عرف کے بارے میں **من غیر شرط** کی قید لگانا بے فائدہ اور لغو ہوگا، اور یہ بھی **المعروف کالمشروط** کے ضابطہ سے اجرت اور حرام ٹھہرے گا، اگر طرفین کی طرف سے کسی لین دین کے بارے میں کوئی صراحت موجود نہ ہو، تو بھی لوگ ان کے درمیان طرفین کی نیت، لین دین کے طریقہ اور دیگر قرائن سے فرق معلوم کر لیتے ہیں اور حفاظ کو دی جانے والی رقم یا چیز کو عرف عام میں ہدیہ ہی سمجھا جاتا ہے۔

ولایحل للمؤذن ولالامام ان یأخذ علی الاذان والامامة اجراً فان لم یشارطھم علی شیء لکنھم عرفوا حاجته فجمعوا له فی کل وقت یطیب له ولایکون اجراً. (رسائل ابن عابدین ج۱/ص۱۵۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متقدمین کے نزدیک اذان و امامت پر تو اجرت لینا جائز نہیں تھا، لیکن اگر بغیر شرط کے لوگ مؤذن اور امام کی حاجت روائی کے لئے ہر وقت جمع کر کے کچھ نہ کچھ ان کو دیتے رہیں، خواہ اس کا عرف ہی کیوں نہ ہو جائے، تو ان کے نزدیک یہ جائز ہے اور یہ اجرت اور معاوضہ نہیں، بلکہ خدمت ہے، حاصل یہ کہ محض دینے کا عرف دیکھ کر کسی چیز کو اجرت قرار دیدینا درست نہیں، جب تک کہ لین دین کا عرف بطور معاوضہ کے نہ ہو۔

عصر حاضر میں تراویح پڑھانے والوں کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے، اس میں ہر دینے والا ہدیہ کہہ کر بڑی عظمت، اکرام اور احترام کے ساتھ اپنی سعادت سمجھ کر دیتا ہے، ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہ سمجھتا ہو، زبان سے کہنا تو دور کی بات ہے، کہ تراویح پڑھانے یا ختم قرآن کی میں اجرت دے رہا ہوں اور تراویح پڑھانے والا بھی ہدیہ ہی سمجھ کر لیتا ہے، اور لوگوں کے سامنے اپنی زبان سے بھی یہی کہتا ہے کہ مجھے اتنا ہدیہ ملا، بطور اجرت کے لینے اور دینے کی بات طرفین کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی ہے، ہاں! لوگوں کا ہدیہ دینا اور مالی خدمت کرنا تراویح پڑھانے والوں کی بلا اجرت دینی خدمت انجام دینے کی وجہ سے اپنا اخلاقی فریضہ سمجھ کر ان کی قدردانی، حوصلہ افزائی، اعزاز واکرام اور خدمت وتعاون ہے، مجازاۃ الاحسان بالاحسان اور مکافاۃ علی المعروف اسی کو کہتے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ لوگ حفاظ کرام کو ہدیہ کے نام سے جو دیتے ہیں، وہ تراویح یا ختم قرآن کی اجرت ہے، کیوں کہ اگر حافظ تراویح نہ پڑھاتا تو کوئی شخص اس کو ہدیہ نہ دیتا، یہ درست نہیں، اور وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا ہدیہ دینا بطور مجازاۃ الاحسان بالاحسان کے ہے، جب حافظ نے تراویح نہیں پڑھائی تو اس نے لوگوں پر کوئی احسان کیا ہی نہیں، پس لوگوں کی طرف سے اس کو احسان کا بدلہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، کسی کے احسان کا بدلہ اس کے احسان کرنے کے بعد ہی دیا جاتا ہے، بلکہ خالص ہدیہ دینے کا بھی کوئی نہ کوئی موقع، محرک اور باعث ضرور ہوتا ہے، بلا موقع اور بلا وجہ کوئی کسی کو ہدیہ نہیں دیتا ہے۔

جس علاقے میں عمومی ماحول حفاظ کرام کے اعزاز واکرام، قدردانی اور ہدیہ دینے کا ہے، تو اس علاقہ میں اگر قدردانی اور حوصلہ افزائی نہ ہو، تو طبیعت ضرور متأثر ہوتی ہے، اس لئے غیرت مند ایسی جگہ سے کنارہ کشی کر لیتا ہے، جہاں اس کی ناقدری ہوتی ہے اور کنارہ کشی کا اصلی باعث وہاں کے ماحول کے اعتبار سے ناقدری ہے، نہ کہ ہدیہ نہ ملنا، اگر وہاں قدردانی، اکرام اور ہدیہ دینے کا عمومی ماحول نہ ہوتا، تو کوئی حافظ ہدیہ نہ ملنے پر اپنی ناقدری نہ سمجھتا اور نہ وہاں سے کنارہ کشی اختیار کرتا، چنانچہ ہمارے علاقہ پالن پور میں کئی دیہات ہیں اور بعض دیہاتوں میں متعدد مساجد ہیں، تقریباً تمام مساجد میں تراویح ختم قرآن کے ساتھ ہوتی ہے، اور سالوں سے کسی حافظ کو نہ اجرت دی جاتی ہے اور نہ ایک روپیہ ہدیہ دیا جاتا ہے، اس کے باجود کئی حفاظ سالہا سال سے تراویح پڑھاتے ہیں، اور آج بھی دنیا میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں حفاظ کرام نہ اجرت لیتے ہیں اور نہ ہدیہ، تو کیا جن علاقوں میں حفاظ کی قدردانی اور ہدیہ دینے کا ماحول ہے، صرف وہاں سب حفاظ غیر مخلص اور مال کے لئے تراویح پڑھانے والے جمع ہو گئے ہیں، اور

جن علاقوں میں قدردانی اور ہدیہ دینے کا ماحول نہیں، صرف وہاں سب مخلص اور حسبۃً للہ تراویح پڑھانے والے جمع ہو گئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ جس علاقہ میں ہدیہ دینے کا ماحول ہے، وہاں سب حفاظ مال کے لئے تراویح پڑھاتے ہیں مطلقاً درست نہیں، یہ ممکن ہے کہ آٹے میں نمک کے برابر کچھ حفاظ ایسے ہوں گے جو مال کے لئے تراویح پڑھاتے ہوں، اس سے انکار نہیں، لیکن اکثر حفاظ امامت تراویح پر اجرت لینے کو ناجائز سمجھ کر بلا اجرت محض اس نیت سے تراویح پڑھاتے ہیں کہ تراویح پڑھانے میں اپنے حفظ کی حفاظت و پختگی کے ساتھ اپنی سعادت، ثواب اور اعزاز ہے، بلکہ ایک گونہ ذمہ داری اور حفظ کی نعمت کا شکریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جو حفاظ دوسری جگہ تراویح پڑھانے نہیں جاتے ہیں وہ بھی اپنے گھر یا دکان پر تراویح پڑھانے کی ترتیب بناتے ہیں، اور تراویح پڑھانے کی ہی برکت سے لاکھوں کروڑوں حفاظ کا قرآن محفوظ اور پختہ ہے۔

ہدیہ ملنے کے علم سے ہدیہ لینے کے لئے ہی تراویح پڑھانا لازم نہیں آتا ہے جیسا کہ مدرس کو تنخواہ ملنے کے علم سے، بلکہ طے کر کے پڑھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صرف دنیا کمانے کے لئے ہی پڑھاتا ہے، اس کی نیت ثواب کی نہیں، پس یہ کہنا کہ لوگوں کا حفاظ کو ہدیہ دینا بطور اجرت کے ہے اور ان کا تراویح پڑھانا محض مال حاصل کرنے کے لئے ہے، لین دین کی صورت، طرفین کی نیت، صراحت، عرف اور قرائن قویہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ سوئے ظن بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہدیہ ہر علاقہ اور گاؤں میں مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اور عموماً حافظ کو جتنا بھی ہدیہ دیا جاتا ہے شکریہ کے ساتھ بخوشی لے لیتا ہے، نہ کمی کا شکوہ کرتا ہے اور نہ زیادتی کا مطالبہ کرتا ہے، اور **للاکثر حکم الکل** قاعدہ ہے، اور ہر مقتدی اس کو دینا اپنے اوپر لازم بھی نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی مرضی اور خوشی کی بات، اخلاقی فریضہ اور سعادت تصور کرتا ہے، اسی لئے ہدیہ ہر نمازی نہیں دیتا ہے، اور دینے والے بھی سب یکساں نہیں دیتے ہیں، کوئی کم دیتا ہے اور کوئی زیادہ دیتا ہے، اور لین دین کی صورت بھی خالص ہدیہ کی ہے، اسی لئے کوئی روپئے، کوئی کپڑا، کوئی رومال، کوئی عطر، کوئی مٹھائی، کوئی جوتے، کوئی کچھ، اور کوئی کچھ اور جو مرضی میں آتا ہے اور جو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔

اجرت میں تو عرف یہ ہے کہ صرف روپیوں یا کسی مخصوص چیز کی شکل میں دی جاتی ہے، مستأجر کی مرضی پر موقوف نہیں ہوتی ہے، نیز اجرت کے بارے میں عرف یہ بھی ہے کہ اگر اجیر اجرت لینے سے انکار کر دے اور خوشی سے اجرت چھوڑ دے تو مستأجر بہت خوش ہوتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، اجرت دینے کے لئے زیادہ اصرار نہیں کرتا ہے، اور ہدیہ میں اگر مہدیٰ لہ ہدیہ لینے سے انکار کرتا ہے تو ہدیہ دینے والا ناراض ہو جاتا ہے، اور اس کو ناگوار گزرتا ہے، کیوں کہ ہدیہ میں محبت، تعظیم، اکرام، مجازاۃ الاحسان بالاحسان، خدمت واعانت وغیرہ چیزیں شامل ہوتی ہیں جو ہدیہ قبول نہ کرنے پر باعث ناراضگی ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر حافظ یہ کہہ کر ہدیہ لینے سے انکار کر دے کہ میں تراویح پڑھانے یا قرآن مجید پڑھنے کی اجرت نہیں لیتا ہوں، تو ہدیہ دینے والے بڑی حیرت اور تعجب سے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں، اور صاف صاف بالکل سچائی سے کہتے ہیں کہ ہم اجرت نہیں دے رہے ہیں، بلکہ خوشی سے اپنی سعادت سمجھ کر ہدیہ دے رہے ہیں، آپ نے ہماری دینی خدمت کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے، لہٰذا ہمارا بھی اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ ہم آپ کا اعزاز واکرام اور کچھ خدمت کریں، اور اصرار کر کے دل کھول کر دیتے ہیں، اور قبول نہ کرنے کی صورت میں ناراض ہو جاتے ہیں، **الصریح یفوق الدلالۃ**، ہدیہ کی کوئی مقدار طے نہیں اور اجرت میں تو عرف عام یہ ہے کہ وہ تقریباً بقدر عمل ہی دی جاتی ہے یا معمولی زیادہ، چنانچہ امام مکتوبہ کی تنخواہ عموماً چار یا پانچ ہزار کے قریب ہوتی ہے، ذرا سا اضافہ کرنے کے لئے سو بار سوچتے ہیں اور حفاظ کا ہدیہ تو اس کا دوگنا یا کئی گنا ہوتا ہے، تنہا یہ قرینہ ہی اس کے اجرت ہونے کے احتمال کو بالکلیہ ختم کر دینے کے لئے کافی ہے، الغرض مذکورہ سب چیزیں اس کے خالص ہدیہ ہونے کو مؤکد کرنے والے قوی قرائن ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ لوگ لازم اور بوجھ سمجھ کر مجبوراً بطور معاوضہ اور اجرت کے دیتے ہیں، حقیقت اور عرف کے خلاف ہے۔

''المعروف کالمشروط'' قاعدہ

''المعروف کالمشروط'' یقیناً فقہ کا مشہور قاعدہ ہے، لیکن عرف وعادت کے معتبر ہونے کے لئے کئی شرطیں ہیں، ان میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ **العادة تجعل حكماً اذا لم توجد التصريح بخلافه** (قواعدالفقہ ص/۸۹) یعنی عرف وعادت کو اس وقت فیصل بنایا جائیگا، جب کہ اس کے خلاف صراحت موجود نہ ہو، اصل یہ ہے کہ عرف وعادت سے کسی حکم کا صادر کیا جانا بطور دلالت کے ہے اور قاعدہ ہے کہ تصریح کے مقابلہ میں دلالت کا اعتبار نہیں، چنانچہ مجلّہ عثمانیہ کی دفعہ تیرہ اس طرح ہے: **لاعبرة للدلالة فی مقابلة التصريح** (مجلۃ الاحکام مع شرح دررالاحکام ج/۱ص/۳۱)

المعروف کالمشروط فقہی قاعدہ نے عرف کو ملحوظ رکھ کر ایک مفتی کو فتویٰ دینے کا پابند بنایا ہے، اور کسی عرف کا طے کرنا دارالافتاء کا کام نہیں ہوتا، بلکہ کسی عرف کو طے کرنے میں سماج اور معاشرہ کا بنیادی کردار ہوا کرتا ہے، عرف کے سلسلہ میں دارالافتاء کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ سماج اور معاشرہ اپنا جو عرف بتائے، بس اسی عرف کے مطابق مفتیان کرام فتویٰ دینے کے مجاز ہوں گے، اب اگر اس اصول کے تحت اس عرف کا جائزہ لیا جائے جو تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر ہدیہ ونذرانہ دینے کی شکل میں رائج ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ عرف قرآن کی اجرت دینے کا نہیں، بلکہ عرفِ عام اعزاز واکرام، قدردانی اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان کے طور پر ہدیہ دینے کا ہے، اور فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: **الثابت بالعرف كالثابت بالنص** (قواعدالفقہ ص/۷۴) عرف سے ثابت ہونے والی چیز ایسی ہے جیسے نص سے ثابت ہو، اور اس کا اعتبار اس وقت تک ہوتا ہے، جب تک کہ اس کے خلاف صراحت نہ آجائے، محض دلالت کی وجہ سے اس کو غیر معتبر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ختم تراویح پر حفاظ کرام کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے، اس کو المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے اجرت قرار دینا درست نہیں، کیوں کہ عرف، طرفین کی صراحت، نیت، لین دین کی صورت، اور قرائن قویہ اس کے خلاف ہیں اور ان کا فعل وعمل، رویہ اور لین دین کا محبت وعظمت بھرا انداز بھی صراحت کے عین مطابق ہے جیسا کہ تفصیل بالا سے بالکل واضح ہے، لہٰذا یہ صراحت معتبر ہوگی، لغو نہ ہوگی۔

جن علاقوں میں حفاظ سالہا سال سے حسبۃً للہ تراویح پڑھاتے ہیں، ان کو نہ اجرت دی جاتی ہے اور نہ ہدیہ، بالفرض اگر اب ان علاقوں میں حفاظ کے اعزاز واکرام اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان کے پیشِ نظر ہدیہ دینے کا عرف ہوجائے، تو کیا پچھلے سالہا سال کی ان کی مخلصانہ خدمات اور اپنے مشاہدہ کو ایک طرف رکھ دیں گے؟ اور محض المعروف کالمشروط کے ضابطہ کے پیشِ نظر اس کو بھی اجرت قرار دے دیں گے؟ اور اب یہ کہیں گے کہ حفاظ مال کے لئے تراویح پڑھاتے ہیں اور لوگ معاوضہ کی نیت سے ہی دیتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا ہے، پس معلوم ہوا کہ ہر معروف مشروط کے درجہ میں نہیں ہوتا ہے۔

فقہ کا ایک اور قاعدہ

فقہ کا ایک اور قاعدہ ہے: **المتعاقدان اذا صرحا بجهة الفساد فهو كما صرحا والا صرف الى الصحة** . (قواعدالفقہ ص/۱۸۸) عاقدین جب فساد کے جہت کی صراحت کردیں تو ان کی تصریح کے مطابق عقد فاسد ہوگا، ورنہ اس عقد کو صحت کی طرف پھیرا جائے گا، بدائع الصنائع میں ہے: **امور المسلمين محمول على الصلاح والسداد مامكن**. (ج/۵ص/۵۳) جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کے معاملات اور افعال کو درستگی پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنا ہر عمل اور معاملہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے انجام دے گا، شریعت کے خلاف امور کا مسلمان سے

سرزد ہونا مسلمانی کے خلاف ہے، اس کی درجنوں مثالیں کتب فقہ میں مختلف ابواب میں موجود ہیں، اور یہ فقہاء کا مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن ہے، فقہاء نے معاملات کی کئی صورتوں میں تحرّیاً للجواز یا تصحیحاً لتصرفہ کہہ کر دو احتمالوں میں سے وہ احتمال مراد لیا ہے جس کی وجہ سے عقد جائز ہو جاتا ہے، حالاں کہ بعض صورتوں میں دوسرے احتمال کی بنا پر سود لازم آتا ہے، چنانچہ کسی نے دوسرے پر ایک ہزار درہم اور سو دینار کا دعویٰ کیا، پھر سو درہم پر ایک ماہ کی میعاد طے کر کے صلح کر لی، تو یہ عقد صلح جائز ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے دین میں سے صرف سو درہم کو وصول کیا اور باقی معاف کر دیا، تا کہ یہ معاملہ صحیح ہو جائے اور ربا لازم نہ آئے، اگر اس کو معاوضہ پر محمول کیا جائے، تو بالیقین اس میں ربا کا معنی ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا، حالاں کہ متعاقدین یہاں صلح کر رہے ہیں اور صلح میں اصل معاوضہ کے معنی ہیں: **لان فی الصلح معنی المعاوضة فما لایصلح عوضاً فی المبیعات لایصلح بدل الصلح** (بدائع الصنائع ج۵/ص۵۱) **والاصل فیہ ان الصلح صحیح بطریق المعاوضة ان امکن وان تعذر ذلک تصحح بطریق الاسقاط** (المبسوط للسرخسی ج۲۰/ص۱۸۱) فقہاء نے صلح میں اصل معاوضہ کے معنی ہونے کے باوجود اس عقد کو، معاوضہ پر محمول نہ کر کے اسقاط پر محمول کیا ہے، کیوں کہ مسلمانوں کے معاملات کو حتی الامکان درستگی پر محمول کیا جائے گا، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: **ولو ادعی الف درھم و مائة دینار فصالحه علی مائة درھم الی شھر جاز، وطریق الجواز بان یجعل حطاً لامعاوضة لانه لوجعل معاوضةً لبطل، لانه یصیر بعض المائة عوضاً عن الدنانیر والبعض عوضاً عن الدراھم، فیصیر بائعاً تسع مائة بخمسین فیکون رباً، وامور المسلمین محمول علی الصلاح والسداد ما أمکن، وأمکن أن یجعل حطاً للدنانیر أصلاً و بعض الدراھم وذٰلک تسع مائة وتأجیل البعض وذلک مائة الی شھر** . (بدائع الصنائع ج۵/ص۵۳)

ختم تراویح کے موقع پر دیئے جانے والے نذرانہ میں اگر چہ طرفین کی نیت، صراحت، طرزِ عمل، عرف اور دیگر قرائن قویہ کی وجہ سے اجرت ہونے کا احتمال بالکل نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان سب چیزوں کو نظر انداز کر کے اس میں بالفرض اگر ہدیہ اور اجرت دونوں کا احتمال تسلیم بھی کر لیا جائے، تو بھی فقہاء کی جا بجا اس ہدایت اور عمل: **أمور المسلمین محمول علی الصلاح والسداد ما أمکن** کے مطابق اس کو ہدیہ اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان پر ہی محمول کیا جائے گا، تا کہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کا یہ عمل اور لین دین درست ہو جائے، ورنہ ان کا یہ عمل اور لین دین حرام ٹھہرے گا، اور ان کے ساتھ سوئے ظن بھی لازم آئے گا، حالاں کہ فقہاء نے اوپر کے مسئلہ میں عقدِ صلح کو جو کہ عقد معاوضہ ہے، جس طریقہ سے درست قرار دیا ہے، اس سے بھی بہت آسانی کے ساتھ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کے اس لین دین کو ہدیہ اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان پر محمول کر کے درست قرار دینا ممکن ہے، تراویح میں طرفین کی طرف سے جہت صحت یعنی ہدیہ کی صراحت اور دیگر قرائن قویہ کے باوجود، خلاف صراحت و قرائن اس نذرانہ کو اجرت پر محمول کر کے ناجائز قرار دینا، فقہاء کے طرز عمل اور ان کی ہدایت کے خلاف اور بڑی حیرت انگیز بات ہے، محض المعروف کالمشروط کا ضابطہ اس نذرانہ کو اجرت قرار دینے کے لئے کافی نہیں، معروف مشروط کے درجہ میں اسی وقت ہوتا ہے جب کہ عاقدین کی طرف سے اس کے خلاف صراحت یا دیگر قرائن موجود نہ ہوں، حالاں کہ یہاں تو سب کچھ موجود ہیں۔

واضح رہے کہ تراویح پڑھانے والوں اور ہدیہ دینے والوں کی نیت، صراحت اور دیگر قرائن جو اس لین دین کے صرف ہدیہ ہونے کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں، وہ عام حالات اور اکثریت کے پیش نظر ہیں، ورنہ کچھ جزوی واقعات تو ہر علاقہ میں اس کے خلاف بھی مل سکتے ہیں، لیکن کلی و عمومی حکم لگانے میں ان کا اعتبار نہیں، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے: **للاکثر حکم الکل** ۔

دراصل قائلین عدم جواز امامت تراویح پر اجرت لینے کو ناجائز کہتے ہیں اور ختم قرآن کو تلاوت مجردہ قرار دیتے ہیں، اسی لئے انہوں نے اس

ہدیہ کوتلاوت مجردہ پر دیئے جانے والے ہدیہ پر قیاس کر کے ناجائز قرار دیا ہے، حالاں کہ عدم جواز کی بنا صحیح نہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جس طرح ایصالِ ثواب اور مکان ودکان کی خیر وبرکت کے لئے کی جانے والی تلاوت، تلاوت مجردہ ہے، اور اس کی بنیاد پر دیا جانے والا ہدیہ اجرت کے مشابہ اور ناجائز ہے، اسی طرح جلسوں اور مسابقات القرآن میں کی جانے والی تلاوت بھی تلاوت مجردہ ہے، لہٰذا تلاوت کرنے والوں کو دیا جانے والا ہدیہ بھی اجرت کے مشابہ اور ناجائز ہونا چاہئے، **تو اس کا جواب** یہ ہے کہ اجرت کے مشابہ وہ ہدیہ ہوتا ہے جو ہدیہ دینے والا اپنے خاص مقصد کے لئے کسی سے تلاوت کروانے کے بعد اس کو دے، اور اس صورت میں ہدیہ دینے والا ایصال ثواب یا مکان ودکان کی خیر و برکت حاصل کرنے کا تلاوت کرنے والے سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے یہ ہدیہ اجرت کے مشابہ ہے، اور جو ہدیہ اجرت کے مشابہ ہو، وہ فقہاء کی تصریح کے مطابق اجرت کے حکم میں ہوتا ہے، اگر اس پر اجرت لینا ناجائز ہے تو یہ ہدیہ لینا بھی ناجائز ہوگا، اور اگر اس پر اجرت لینا جائز ہے تو یہ ہدیہ لینا بھی جائز ہے۔

لامعنی لهذه الوصية ولصلة القارئ بقرائته لان هذا بمنزلة الاجرة ، والاجارة فی ذلک باطل. (رسائل ابن عابدین ج ۱/ ص ۱۶۸)

فان قلت جوز اعتبار شائبة الاجرة فی معلوم المدرس فینافی ماصرحوا به من التعلیل لبطلان الوصیة للقارئ بأنها تشبه الاجرة ، قلت لامنافاة فان المدرس معلم بخلاف القارئ المطلوب منه القراء ة المجردة فکون معلوم المدرس فیه شائبة الاجرة علی التعلیم لامحذورة فیه فان الاستیجار علی التعلیم مما استثناه المتأخرون للضرورة کما قدمناه ، اما القرا ء ة المجردة فعلی المنع . (رسائل ابن عابدین ج ۱/ص ۱۷۷)

جلسوں اور مسابقات القرآن میں تلاوت کرنے والے خود اپنے ہی مقصد اور فائدہ کے لئے تلاوت کرتے ہیں یا ان سے تلاوت کروائی جاتی ہے، سامعین کے کسی خاص مقصد اور فائدہ کے لئے تلاوت نہیں کرتے ہیں، جیسا کہ بالکل واضح ہے، اس لئے یہ ہدیہ اجرت کے مشابہ نہیں ہے، اجرت تو کسی سے کام لینے کے بعد دی جاتی ہے، اور عرف عام سے اس ہدیہ کا بطور انعام اور حوصلہ افزائی کے پیش نظر ہونا، ثابت ہے، لہٰذا اس ہدیہ کو **الثابت بالعرف کالثابت بالنص.** (قواعد الفقہ ص ۷۴) قاعدہ کی وجہ سے انعام اور حوصلہ افزائی پر ہی محمول کیا جائے گا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ایصال ثواب اور مکان ودکان کی خیر وبرکت کے لئے تلاوت کرنے والوں کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے، اس کو مجازاۃ الاحسان بالاحسان پر بھی تو محمول کر سکتے ہیں اور اس صورت میں یہ ہدیہ لینا دینا جائز ہوگا، **تو اس کا جواب** یہ ہے کہ بلاشبہ یہ ہدیہ اجرت کے مشابہ بھی ہے اور مجازاۃ الاحسان بالاحسان کا بھی احتمال رکھتا ہے اور دونوں احتمال یکساں ہیں، پہلا احتمال اس کے جواز سے مانع ہے اور دوسرا احتمال اس کے جواز کا مقتضی ہے، اور قاعدہ ہے: **اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع.** (قواعد الفقہ ص ۵۶) لہٰذا اس ہدیہ کا لینا دینا ناجائز ہی رہے گا، یہاں مجازاۃ کا اعتبار نہیں ہوگا، اور حفاظ کرام کو ہدیہ دینا جائز ہے خواہ اس ہدیہ کی اجرت کے ساتھ مشابہت لازم آئے، کیوں کہ جب امامت تراویح پر حقیقتاً اجرت لینا جائز ہے، تو وہ ہدیہ لینا جس میں صرف اجرت کا شبہ ہو بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، اور حفاظ کو ہدیہ اصلاً امامت تراویح کی بنیاد پر ہی دیا جاتا ہے، اگرچہ اس میں ضمناً ختم قرآن کا لحاظ بھی ہوتا ہے، لیکن یہ ممنوع ومضر نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر حفاظ بلا امامت تراویح کے ختم قرآن کریں، تو ان کو کوئی ایک روپیہ بھی

ہدیہ نہیں دے گا، پس حفاظ کو دیئے جانے والے ہدیہ کو تلاوت مجردہ پر دیئے جانے والے ہدیہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

اجرت قرآن، اجرت امامت اور خدمت امام تینوں الگ الگ چیزیں ہیں، اوران کے احکام یقیناً مختلف ہیں، اجرت قرآن بلاشبہ حرام ہے، خواہ وہ فرض نمازوں میں پڑھا جائے یا تراویح میں، یا وہ قرآن کسی جلسہ میں پڑھا جائے یا کسی گھر میں، ایصال ثواب کے لئے پڑھا جائے یا دکان و مکان کی خیر و برکت کے لئے، بہرصورت قرآن کی تلاوت پر اجرت لینا حرام ہے، اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے، خواہ پنج وقتہ نمازوں کی امامت ہو یا نماز تراویح کی، اسی طرح خدمت امام نہ صرف یہ کہ جائز، بلکہ موجب اجر وثواب ہے، کسی نے بھی اس سے منع نہیں کیا ہے۔

حاصل یہ کہ ختم تراویح کے موقع پر اگر لوگ اپنی مرضی وخوشی سے اور اپنی سعادت تصور کر کے حفاظ کرام کے اعزاز واکرام کی نیت سے یا مجازاۃ الاحسان بالاحسان کی نیت سے یا خدمت وتعاون کی نیت سے حفاظ کرام کو ہدیہ دیں، تو جائز ہے، اگرچہ اس نیت کے ساتھ ہدیہ دینے کا عرف ہوجائے، کیوں کہ ایسا عرف وعمل تو شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے، چنانچہ متقدمین فقہاء کے نزدیک کسی بھی طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں تھا، اس کے باوجود معلمین کو مجازاۃ الاحسان بالاحسان اور خدمت وتعاون کے طور پر ہدایا وتحائف دینے کا عرف تھا، اور فقہاء نے ان ہدایا کو خدمت قرار دیا ہے، اجرت نہیں جیسا کہ صریح عبارت ماقبل میں گزر چکی ہے، البتہ بعض مقامات پر مسجد کے ٹرسٹی یا ذمہ دار ''حافظ کا ہدیہ'' کے نام سے لوگوں سے چندہ کرتے ہیں، اور چندہ میں لوگوں پر جبر واکراہ کرتے ہیں، تو یہ بالکل جائز نہیں، اور ایسا جبر تو مسجد اور مدرسہ کے چندہ میں بھی جائز نہیں۔

یہ ممکن ہے کہ کسی تراویح پڑھانے والے کی نیت فاسد ہو اور اس صورت میں وہ گنہگار ہوگا، اور یہ صرف تراویح کی خصوصیت نہیں، بلکہ دیگر دینی کاموں میں بھی کسی کی نیت فاسد ہوسکتی ہے اور اس صورت میں وہ بھی گنہگار ہوگا، لیکن سب کو مخلص قرار دے کر صرف تراویح پڑھانے والے اور حافظ قرآن کی نیت کو ہی فاسد قرار دینا انصاف کی بات نہیں، اگرچہ افضل واولیٰ یہی ہے کہ تراویح حسبۃً للہ پڑھائی جائے اس پر کوئی اجرت، ہدیہ اور معاوضہ نہ لیا جائے، اور یہی حکم تمام دینی کاموں کا بھی ہے، لیکن ہماری بحث تقویٰ، احتیاط اور افضلیت کے بارے میں نہیں، بلکہ فتویٰ اور جواز وعدم جواز کے بارے میں ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **ولایلحق بالقاضی فیما ذکر المفتی والواعظ ومعلم القرآن و العلم لانهم لیس لهم اهلیة الزام ، والاولیٰ فی حقهم ان کانت الهدیة لاجل مایحصل منهم من الافتاء والوعظ والتعلیم عدم القبول لیکون علمهم خالصا لله تعالیٰ وان اهدی الیه تحبباً وتوددا لعلمهم وصلاحهم فالاولیٰ القبول .** (شامی ج۸/ص۴۷/۷، دارالکتاب)

والوجه الاول ان یشترط انه انما یهدی الیه لیعینه عند السطان وفی هذا الوجه لایحل لاحد الاخذ ..... والوجه الثانی اذا لم یشترط ذلک صریحا ولکن انما یهدی الیه لیعینه عند السلطان وفی هذا الوجه اختلف المشائخ رحمهم اللّٰه وعامتهم انه لایکره. (فتاویٰ عالمگیری ج۳/ص۳۳۲)

اما اذا کان الاهداء من غیر شرطٍ ولکن یعلم یقینا انه انما یهدی لیعینه عند السطان فمشائخنا علی انه لابأس به ، فلو قضیٰ حاجته من غیر شرط ولاطمع فاهدی الیه بعد ذلک حلال لابأس به ومانقل عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه من کراهیة الاخذ تورع . (خلاصۃ الفتاوی ج۴/ص۷/، کتاب القضاء)

خلاصۂ بحث

متأخرین فقہاء نے استیجار علی الطاعت کی ممانعت سے امامت کا ضروریات دین اور شعائر میں سے ہونے کی وجہ سے ضرورۃً استثناء کیا ہے اور

مستثنیٰ امامت میں بلاشبہ امامت تراویح بھی داخل ہے، کیوں کہ جس طرح مسجد میں باجماعت فرض نمازوں کا قیام ضروریات دین اور شعائر میں سے ہے اور اس سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں جماعت تراویح کے قیام سے شعائر اسلام کا اظہار ہوتا ہے، یہ شعائر ظاہرہ میں سے ہیں اور اہل سنت کا شعار بھی ہیں، جیسا کہ صریح عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں، لہٰذا یہ بھی ضروریات دین اور شعائر میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی بھی فقیہ سے مستثنیٰ امامت کا امامت مکتوبہ کے ساتھ مقید ہونا منقول نہیں، اور مسجد میں بالکلیہ جماعت تراویح کا قیام ترک کرنے کی صورت میں صحیح قول کے مطابق سب لوگ گنہگار ہوتے ہیں، اور امامت تراویح کے ضروریات دین میں سے ہونے کو قائلین عدم جواز بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ وہ مفت تراویح پڑھانے والا نہ ملنے کی صورت میں یا صرف الم ترکیف سے تراویح پڑھانے کی صورت میں اجرت لینا جائز کہتے ہیں، اور طاعات پر اجرت لینے کے جواز کی اصل علت بیت المال سے وظائف بند ہوجانے اور مجازاۃ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے دینی خدمات مفت انجام دینے کی رغبت کم یا ختم ہوجانا ہے، اور یہ علت تمام مستثنیٰ طاعات یعنی تعلیم، اذان، امامت مکتوبہ اور امامت تراویح میں یکساں طور پر موجود ہے، اور یہ علت مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کے جواز کی مقتضی ہے، اسی لئے فقہاء نے مستثنیٰ طاعات پر مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، لہٰذا اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ مستثنیٰ طاعات میں فقہاء کی مطلقاً بلاتفصیل کے اجرت لینے کی تسلیم کردہ ضرورت کو، ان کی صراحت کے بغیر اپنی طرف سے کوئی قید لگا کر مقید کردے، اور شعار نفس امامت ہے، لہٰذا اجرت کا جواز نفس امامت کے لئے ہوا ہے، خواہ امامت الم ترکیف سے ہو یا ختم قرآن کے ساتھ۔

حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنے میں ختم قرآن کا مقصود اصلی ہونا اور اس کا تلاوت مجردہ ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ ہی اس میں تلاوت مجردہ کے لئے اجرت پر رکھنے کی خرابیاں پائی جاتی ہیں، کیوں کہ ختم قرآن امامت کے ضمن میں تبعاً مقصود ہوتا ہے، نہ کہ مجرداً اور مستقلاً، مقصود اصلی تو نماز تراویح ہی ہے، اور ختم قرآن تو اس کی ایک سنت ہونے کی وجہ سے ہی مطلوب ہوتا ہے، اور اجارہ کے مطلق ہونے کی صورت میں اجرت اصل یعنی امامت تراویح کے ہی مقابل ہوگی، نہ کہ تابع یعنی ختم قرآن کے مقابل، ختم قرآن کی سنت اپنے وجود میں نماز تراویح کے تابع ہے، نماز تراویح کے بغیر اس سنت کی ادائیگی ناممکن ہے، پس حافظ یا غیر حافظ کو تراویح پڑھانے کے لئے رکھنا اصلاً امامت تراویح کے لئے ہے، نہ کہ محض ختم قرآن کے لئے، یہی وجہ ہے کہ اگر تراویح پڑھنا مقصود اصلی نہ ہوتا، تو نہ کسی حافظ کو بلایا جاتا اور نہ ہی ختم قرآن کیا جاتا، اور اگر ختم قرآن نہ کرنا ہو، تو بھی لوگ تراویح پڑھتے ہیں اور اس کے لئے امام مقرر کرتے ہیں۔

حفاظ کرام کو لوگ خوشی سے اپنی سعادت سمجھ کر ان کے اعزاز واکرام یا مجازاۃ الاحسان بالاحسان یا امداد وتعاون کی نیت سے جو ہدیہ کے نام سے دیتے ہیں، اس کا لینا دینا جائز ہے، یہ اجرت نہیں، اگرچہ اس کا عرف ہوجائے، ایسا عرف شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے، البتہ حسبۃً لوجہ اللہ تراویح پڑھانا اور کسی سے کوئی معاوضہ یا ہدیہ نہ لینا بڑی فضیلت، تقویٰ اور ثواب کا کام ہے، اور ہدیہ ملنے کے علم سے ہدیہ لینے کے لئے ہی تراویح پڑھانا لازم نہیں آتا ہے جیسا کہ مدرس کو تنخواہ ملنے کے علم، بلکہ طے کرکے پڑھانے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ دنیا کمانے کے لئے ہی پڑھاتا ہے، اس کی نیت ثواب کی نہیں، اور حفاظ کرام کا اجرت طے کرکے امامت تراویح کرنے سے یا ختم تراویح کے موقع پر لوگوں کی طرف سے ان کے اعزاز واکرام میں یا مجازاۃ الاحسان بالاحسان کے طور پر دیئے جانے والے ہدیہ کو لینے سے ان کے اعزاز واکرام، احترام اور عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے، جس طرح امام مکتوبہ اور مدرس کے تنخواہ لے کر پڑھانے سے ان کے احترام واکرام اور عظمت پر کوئی زد نہیں پڑتی ہے۔

تنبیہ: اس کتاب کی تالیف کا مقصد تراویح پڑھانے والوں اور حفاظ کرام کو اجرت اور ہدیہ لینے کی ترغیب دینا نہیں

ہے، بلکہ دلائل شرعیہ وفقہیہ کی روشنی میں اجرت تراویح اور ہدیہ حفاظ کی شرعی حیثیت واضح کرنا ہے، ورنہ صرف تراویح ہی نہیں، بلکہ تمام دینی کام حسبۃً للہ انجام دینا افضل واَولیٰ ہے، لیکن ہمارا اخلاقی ودینی فریضہ اور اسلاف کی روایت یہی ہے کہ ہم اپنی سعادت سمجھ کر خدام دین کو تعظیماً وتکریماً، مجازاۃ الاحسان بالاحسان اور ان کو فارغ البال کرنے کی نیت سے اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ دیں، بہرحال دونوں فریق کو مثالی اور اعلیٰ کردار ادا کرنا چاہئے۔

هـذا ماظهر لی من کلام الفقهاء ، فان کان صوابا فمن اللّٰه ، وان کان خطأ فمن نفسی ، وارجو من اللّٰه تعالیٰ العفو و الاجر برحمته و فضله .

محمد سلمان قاسمی پالن پوری (کھلی)

جامعہ خلیلیہ اسلامیہ ماہی (خانقاہ) تحصیل: وڈگام، ضلع: بناس کانٹھا، شمالی گجرات

MO: **9825700706**

mspalanpuri@gamil.com